نوائے صوفیہ

Nawa-e-Sufia International

شمارہ 138 E-edition انٹرنیشنل جنوری 2021



www.nawaisofia.com

احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

نوائے صوفیہ انٹر نیشنل ای۔ایڈیشن

بفیضان نظر حضرت علامہ بشیر براہ والے قدس سرہ العزیز

شمارہ:138 جنوری 2021ء

مدیر اعلیٰ	غلام حسن حسنو
چیف کمپوزر	حبیب اللہ کھربوہ کرگل لداخ
بتعاون	شعبہ نشر واشاعت علماء سپریم کونسل
ناشر	شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف
ویب سائیٹ	www.nawaisofia.com
فیس بک	www.facebook.com/nawaesofia
ای میل	articles@nawaisofia.com

مضامین موبائل اور ای میل کے علاوہ موبائل ایپلی کیشن اور ویب سائٹ سے اپ لوڈ کر سکتے ہیں۔

ادارے کا مضمون نگاروں کے رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔



فہرست مضامین

اداریہ		
زوال کی طرف گامزان سلسلہ نوربخشیہ اور ہم	غلام حسن حسنو	5
تفسیر القرآن		
تفسیر نجم القرآن مقدمہ (المفسر) حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ	مفتی علی محمد ہادی	11
تفسیر جامع التنزیل والتاویل شیخ حسام الدین بدلیسی نوربخشیؒ	مولانا علی محمد محمدی منہاجین	16
الفقہ		
شرح فقہ احوط سید محمد نوربخش قہستانیؒ	مفتی علی محمد ہادی	19
حدیث نبوی ﷺ		
اجتماعی ذکر الٰہی اور حلقہ ذکر	غلام حسن حسنو	24
تراجم مخطوطات		
بہجۃ الطائفہ حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسیؒ	مولانا علی محمد محمدی منہاجین	28
غیر مطبوعہ رسائل		
رسالہ حقیقت انسان حضرت میر سید علی ہمدانیؒ	غلام حسن حسنو	38

احوالِ صوفیاء		
شیخ ابو القاسم ابراہیم نصر آبادی	محمد منشا خان میانوالی	64
تعارف مخطوطات		
منقبت الجواہر (حیات شاہ ہمدان پر قدیم و مستند کتاب)	محمد یعقوب براہوی	74
نوربخشیات		
ایک توجہ طلب گزارش	نجم الدین ہمدانی	80
نشرِ مکرّر		
تعلیم نسواں	کنیز فاطمہ خپلو باپنی	82
دینیات		
اتحاد حقیقت اور ثمرات	شفاعت علی فیضی	84
یادِ رفتگان		
عظیم بھائی کی یاد اور اظہار تشکر	سید لیاقت علی شاہ	90



اداریہ

زوال کی طرف گامزان سلسلہ نوربخشیہ اور ہم

غلام حسن حسنو

ماہنامہ نوائے صوفیہ کا شمارہ آٹھ نذر قارئین کی جارہی ہے۔بلاکسی تعطل کے مسلسل آٹھ شماروں کی تیاری اوراشاعت پر ہم اللہ رب العزت کے حضور سراپاسجدہ ریز ہیں۔کیونکہ ہم میں کوئی توانائی ہے نہ ہی کوئی ہمارے مدد گاراورنہ ہی غمگساراس افراتفری کے عالم میں بس اسی کا فضل وکرم اوراسی کے آسرے پر یہ سب کچھ چل رہا ہے یہ سب ہماری معصوم نیتوں کی لاج رکھنے کے سوا کچھ نہیں جو اس طرح ہیں۔

مری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی میں اسی لیے مسلمان اوراسی لیے نمازی

اس شمارے کی اشاعت تک عیسوی حساب سے 2020ء گزر چکی ہوگی اور سال نو یعنی 2021ء کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ہم گذشتہ سال کو الوداع کہتے ہیں یہ سال نبی نوع انسان کے لئے انتہائی نامساعد اور بھیانک سال ثابت ہوا اس کے آغاز سے ہی کورونا وائرس کی تباہ کاری شروع ہوگئی اور آخری دن تک اس نے 16 لاکھ سے زیادہ لوگوں کی جانیں نگل لیں یہ وہ تعداد ہے جن کی باقاعدہ رپورٹنگ ہوئی جو اس وبا سے رحلت کر گئے لواحقین نے چپکے سے انہیں سپرد خاک کیا ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔اس منحوس وائرس کے ہاتھوں لاکھوں افراد کی موت کیا واقع ہوئی لاکھوں بچے یتیم ہوئے لاکھوں خواتین بیوہ اور لاکھوں بے سہارا افراد بے آسرا ہوئے جبکہ مجموعی طورپر اس سے کروڑوں لوگ متاثر ہوئے کئی ٹریلین کھرب ڈالر کا مالی نقصان ہوا۔غرض یہ کہ 2020ء کا سال بکثرت بیماریوں اور بے شمار اموات کے حوالے سے یاد رہے گا۔

امسال سلسلہ نوربخشیہ کے کئی ایسے عظیم شخصیات رحلت فرمائے جو حقیقی معنوں میں سلسلہ نوربخشیہ کے محسن تھے جن میں سید جمال الدین موسوی آف براہ،سید محمد کاظمی آف سکسا،حاجی شاہین نبی خپلو،صوفی غلام محمد سیرمک،اخوند علی حسن یوچنگوی مقیم دھیرہ دون انڈیا،کاچو حسن خان خپلوی مقیم دھیرہ دون انڈیا شامل ہیں ان سب نے اپنی اپنی بساط سے بڑھ کر سلسلہ نوربخشیہ کی خدمت کی ان کی دینی خدمات تادیر یاد رکھی جائے گی۔

مقدور ہو تو پوچھ لوں گردوں سے اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیے

2020ء کے پورا سال میں سلسلہ نور بخشیہ نے کیا کھویا؟ اور کیا پایا؟ ہمارے خیال میں اس پورے سال میں ہم نے کھویا تو بہت ہیں لیکن پایا کچھ نہیں۔

ا۔ کرونا وائرس کی تباہ کاری اور دیگر حوادث زمانہ سے ہمیں بہت جانی اور اقتصادی نقصان پہنچا۔

۲۔ ہماری نئی نسل کی تعلیم و تربیت تقریباً 80 فیصد کم ہوئی ہمارے تعلیمی ادارے اور دینی مدارس تقریباً 10 مہینے بند رہے اب بھی بند ہیں۔مالی نقصان کی تلافی ممکن لیکن نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا نقصان نا قابل تلافی نقصان ہے۔

۳۔ سلسلہ نور بخشیہ میں خلوت نشینی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے بجا طور پر ہم اس پر فخر کر سکتے ہیں یہ غیر معمولی نفلی عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلہ نوبخشیہ کی دیرینہ ثقافت اور بزرگان سلسلہ کا مرغوب و محبوب عمل بھی ہے اس مبارک عمل پر عملدرآمد تقریباً 70 فیصد کم ہوا۔

۳۔ گذشتہ تین چار سالوں سے جن جید علمائے کرام اور اہم قومی اداروں کو دیوار سے لگانے کی پالیسی اپنائی گئی تھی اس پر پورا پورا عمل ہوتا رہا۔

۴۔ سلسلہ نور بخشیہ گروہی، اعتقادی، نسلی اور سیاسی میں حسب سابق پھنسا رہا یعنی وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے۔

اتفاق واتحاد اور یکجہتی کی فضا قائم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی رہی سہی کسر بوا فقیر کے مریدین نے دو گروپوں میں بٹ کر پوری کر دی۔

۵۔ سلسلہ کے مفاد میں مرکزی انجمنوں کی ایک بھی میٹنگ نہیں ہوئی۔اسی طرح کسی ڈھنگ کی کانفرنس، سیمینار کا انعقاد نہیں ہوا۔

اب ہمارے کارنامے بھی دیکھ لیں۔

ا۔ چشم بد دور صوفیہ نور بخشیہ نامی گروپ نے ”نورالہدی“ نامی ایک کتابچہ شائع کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ادھر امامیہ نور بخشیہ نامی گروپ 4 کتب ورسائل شائع کرنے میں کامیاب ہوا۔

۲۔ سلسلہ کے پیروکاروں کی رگوں میں خوداعتمادی، بیداری اور جذباتی وابستگی پیدا کرنے والے جریدے

ماہنامہ نوائے صوفیہ کو ہم تین سر پھروں نے دوبارہ احیاٗ کی ٹھانی جس کا شمارہ نمبر 8 آپ کے ہاتھوں میں ہے ہمیں امید تھی کہ سابقہ ادوار میں اس کی شاندار کارکردگی کے پیش نظر بہی خواہانِ ملت اس کی مستقل پرنٹ میڈیا پر اشاعت کے لئے بندوبست کریں گے لیکن

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

کسی کی کان پر جون تک نہیں رینگی لیکن ایک شمارے کے سوا کوئی پرنٹ نہیں ہوا جن جوانوں نے جس عزم وولولے اور ایمانی جذبے سے سرشار ہو کر اسے پرنٹ میڈیا پر پیش کرنا تھا، حیلہ بازوں نے ان کے جذبات کو کچل ڈالا اور سید جمال نامہ کے پرنٹ شدہ کا پیوں کو دبا دیا۔

ہمارے گذشتہ ایک سال کی سرسری کارکردگی آپ نے دیکھ لیا۔اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام سے مروی ایک مکمل حدیث پڑھ لیں اور اس کی روشنی میں دیکھ لیں کہ من حیث القوم ہم کتنے پانی میں ہیں؟

مَنِ اسْتَوٰیٰ یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ وَّمَنْ کَانَ اٰخِرُ یَوْمِہٖ شَرًّا فَھُوَ مَلْعُوْنٌ وَّمَنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَی الزِّیَادَۃِ فَکَانَ عَلَی النُّقْصَانِ وَمَنْ کَانَ عَلَی النُّقْصَانِ فَالْمَوْتُ خَیْرٌ لَّہٗ۔

جس کا دو دن (یعنی گذشتہ کل اور آج) برابر ہو وہ مغبون (خسارہ) ہے اگر اس کا دوسرا (کل کے مقابلے میں آج کا) دن زیادہ بدتر ہو تو وہ ملعون ہے اگر نیکی میں اضافہ نہ ہو تو وہ نقصان میں ہے نقصان میں ہونا اس کے لئے موت سے بہتر ہے۔مولانا روم نے اس کا ایک جزو کو یوں نظم کیا ہے۔

گفت احمد ہر کہ دو روزش یکی است ہست مغبون و گرفتار بیشکی است

یہ حدیث اسی طرح اور فرق کے ساتھ ان کتابوں میں مندرج ہے۔

مصنفات فارسی سمنانی ص ۲۰۲۔

کشف المحجوب ص ۲۵۷۔

معانی الاخبار ص ۳۴۲۔

روضۃ الفردوس ص ۳۷۔

بہجۃالطائفہ ص ۲۱۴۔

مجموعہ آثار فارسی امام احمد غزالی ص ۲۱۱، ۴۰۰۔

قوت القلوب جلد اول ص ۴۲۔

احیاء العلوم الدین جلد چہارم ص ۲۷۸۔

کشف الخفا جلد دوم ص ۲۳۳۔

اسرارالمرفوعہ ص ۳۲۷۔

تنبیہ الغافلین ص ۱۴۵۔

حلیۃالاولیاء۔کشف الاسرار جلد دوم ص ۴۵۹۔

من حیث القوم ہم ڈوب رہے ہیں زوال کا شکار ہیں ہر نئے دن کا اختتام گذشتہ دن سے بدتر ہو رہا ہے لیکن احمقوں کو اس میں بھی ترقی اور عروج دکھائی دیتی ہیں اوراندھے پیروکاروں کو یہی کہہ کر سبز باغ دکھاتے اور عقیدت مند سن کر سر دُھنتے ہیں۔

اب بھی ہم میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جو صاحب رائے ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلہ سے شدید جذباتی لگاؤ بھی رکھتے ہیں ماضی قریب میں انہی لوگوں نے تاریخ کا رخ موڑا تھا اور دوسرے سے مسالک کے غلبہ وریشہ دوانی ختم کرنے اور سلسلی لوگوں سے احساس کمتری دور کرنے اورانہیں جینے کا ڈھنگ سمجھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا یہ لوگ آج کل کی گروہ بندی سے تنگ اور قیادت کے دعویداروں کے رویے سے نالاں ہیں وہ الگ تھلگ خاموش ہیں ہماری نظر میں یہی لوگ سچے بہی خواہان ملت ہیں اب انہوں نے صورت حال کو جانتے اور کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی احساس نہ کیا تو خاکم بدہن ہم بند گلی میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اس سے نکلنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ متذکرہ بالا صورت حال میں ہمارا بہت کچھ ضائع جارہاہے لیکن احساس زیاں کسی کو نہیں ہو پارہاہے اگر احساس ہو بھی جائے اس کا برملا اظہار سے گریز کر رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کاروان جاتا رہا   کاروان کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

من حیث الجماعت اجتماعی مساعی کا فقدان ہے مرکزی تنظیموں میں من پسند لوگ قبضہ جمائے بیٹھے ہیں جن کی وجہ سے ان تنظیموں کے اغراض ومقاصد اور اہداف او جھل ہیں اب تنظیمیں دائرے کے سفر میں سرگرداں ہیں چنانچہ سارا معاملہ شخصیات اور گروہی مفادات کے گرد چکر کاٹ رہا ہے اس چکر سے نکل نہیں پارہا۔ ہمیں اس سے جلد نکلنا ہو گا۔

قارئینِ نوائے صوفیہ کو نیا سال مبارک ہو! اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں فضل وکرم سے یہ سال ہم سب کے لئے کامیابی وکامرانی کا مظہر اور نیکی وبھلائی کا موجب بنائے آمین!

سلسلہ نوربخشیہ کے پیروکاروں کو عموماً اور مرکزی قیادت اور تنظیموں کے ذمہ داروں کو درج ذیل کام کرنے ہوں گے۔

۱۔ قائدین اور ہر ہر نوربخشی اپنی صفوں کو درست کریں اولین فرصت میں اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد کو بند کریں اور دھڑے بندی کا خاتمہ کریں آپس میں اتفاق واتحاد اور ملی یکجہتی کو پروان چڑھائیں۔

۲۔ بہی خواہان ملت آگے آئیں اپنے تجربات، جذبات اور مشاہدات کو بروئے کار لاتے ہوئے کئی برسوں سے باہم بدظن دھڑوں کو باہم مکالمہ اور ڈائیلاگ کے ذریعے آپس میں شیر وشکر کریں۔

۳۔ تمام مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بہتر بنائیں کسی بھی مسلم فرقے کے زندہ یا فوت شدہ شخص کے بارے میں بدگوئی سے گریز کریں کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۴۔ غیر مسلم مذاہب اور مسلم فرقوں کے ذمہ داراں اپنے اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے جو حربے، ذرائع اور وسائل استعمال کر رہے ہیں ایک نظریاتی جماعت کی حیثیت سے ہمیں ان سے زیادہ مشنری جذبے سے کام کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا ہمارے لئے ناممکن کیوں؟ اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے ہمیں ہر وسائل میسر، ہر ہنر جاننے والے ماہرین دستیاب ہیں بس ان سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

۵۔2020ء میں ایک قوم کی مجموعی اشاعت ۵عدد کتب ورسائل اور ایک عدد ماہنامہ وہ بھی دبایا دیا گیا کتنے شرم کی بات ہے۔

فرقہ بندی سے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

موجودہ ایٹمی اور ڈیجیٹل ابلاغیات کے دور میں کمترین درجہ پرنٹ میڈیا کے ذریعے کتب ورسائل کی اشاعت سے مفر ممکن نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہمارے باکرامت بزرگوں کی کتابیں جو عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں ہیں اور

زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

کے مصداق اب یہ زبانیں ہمارے لئے روز بروز اجنبی بنتی جارہی ہیں، ان آثار کا ترجمہ کرکے شائع کرنا چاہیے اگر بزرگوں کی تعلیمات ہمارے خودساختہ عمل اور عقائد کے پیش نظر قابل قبول نہیں تو خود کتب ورسائل لکھ کر شائع کریں اگر یہ بھی ممکن نہیں تو جو لوگ اپنے رسک پر یہ کام کریں ان کی حوصلہ افزائی کریں اور ان کا دست و بازو بنیں اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کم از کم ان کی حوصلہ افزائی نہ سہی حوصلہ شکنی تو نہ کریں۔ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یہ سب سے ادنی کام بھی کرنے کو تیار نہیں تو اس کے سوا باقی سب کچھ گمراہی اور ضلالت ہے۔ علم و معرفت کے بغیر عمل رائگان ہے علم و معرفت کا منبع وحی، الہام، عقل اور کتابیں ہیں وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے الہام کا آپشن موجود ہے لیکن موجودہ خلفشار ہی ہم میں اس صلاحیت کے فقدان پر گواہ ہے ناساز گار حالات اور ناموافق ماحول کی وجہ سے ہماری عقل بھی ناقص ہے اب صرف کتابیں رہ جاتی ہیں ان سے اغماض اور چشم پوشی اور علمی کاموں کی حوصلہ شکنی کا نتیجہ جہالت اور جہالت کا حاصل گمراہی کے سوا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں علم و معرفت عطا فرمائے اور جہالت کی تاریکی سے بچائے آمین



القرآن

تفسیر نجم القرآن

حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

(**تفسیرِ بطن:** "مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ" قطاروں میں برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ وہ مشاہدۂ انوار کے موقعوں پر اپنے اسرار وواردات کو برابر رکھتے ہوئے راحت وطمانینت سے جمے رہے۔)

"**وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ**" اور ہم نے ان کو خوبصورت آنکھوں والی حوریں بیاہ دیں۔

چونکہ انہوں نے نفسانی خواہشات کو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غرق کر دیا، اس لیے ان کو لطیفۂ حوریہ بیاہ دیا جن کی روحانیت گندے خیالات سے پاک ذکر کی صورت کا معاینہ کرنے سے آتی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملالیا اور ان کے عمل سے کچھ کم نہیں کیا۔ ہر آدمی اس چیز کی وجہ سے گرفتار ہے جو اس نے کمایا ہے۔

تفسیرِ بطن: "وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" یعنی جو لطائف اپنی طرف بھیجے ہوئے لطیفۂ حقیہ اور ان کو سنائے ہوئے غیبی امور پر ایمان لائے۔

"**وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ**" جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی۔

ذرّیت سے مراد لطیفۂ قالبیہ اور لطیفۂ نفسیہ ہے۔ "بِاِيْمَانٍ" یعنی انہوں نے ظاہری اعضاء اور باطنی قوٰی سے ایمان کو زک پہنچانے والے کسی ایسے منہیات کا ارتکاب، لہویات کا شغل اور معاصی کی جسارت نہیں کی جس کی وجہ سے آنکھوں سے پردہ ہٹ جانے کے وقت ان کو پیشانی سے پکڑا جائے۔

"**اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ**" ان کے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔

یعنی کھانے پینے اور نفسانی چاہتوں کا فائدہ اٹھانے میں ان کے پاکیزہ قوٰی کو لطائف کے ساتھ ملادیا۔

"وَمَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ" کی تو ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملالیا اور ان کے عمل سے کچھ کم نہیں کیا۔

یعنی جو ہم نے ان کی اولاد کو اجر عطا کیا ہے اس کی وجہ سے باپ دادا کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی۔

لطائف و قوٰی کا ثواب

"كُلُّ امۡرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیۡنٌ" ہر آدمی اسی میں گروی ہے جو اس نے کمایا ہے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لطائف کو ان کے اپنے مناسبِ حال الٰہی معارفِ حقیہ کی شکل میں اجر ملتا ہے اور پاکیزہ قوٰی کو ان کے اپنے مناسبِ حال اجر معارفِ خفیہ، روحیہ، سرّیہ اور قلبیہ کی صورت میں ملتا ہے۔ جبکہ ظاہری اعضاء و جوارح کو ان کے اپنے لائق اجر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمت، حور و غلمان اور من پسند لذتوں کی صورت میں ملتا ہے۔ پس اعضاء و جوارح میں سے ہر ہر عضو کو، قوٰی میں سے ہر ہر قوت کو اور لطائف میں سے ہر ہر لطیفہ کو اس دار لکسب دنیا میں خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادات اور سعی و جد و جہد کے مطابق اس دارالجزا عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ جزا عطا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ وَاَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی ۝ (النجم:۳۹-۴۰)

اور انسان کے لیے اس چیز کے سوا کچھ نہیں جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور بے شک اسے اپنی کوشش دکھا دی جائے گی، چاہے وہ نیک ہو یا بد۔

جنت کی نعمتیں

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے ان کی چاہت کے میووں اور گوشت کے ذریعے دادرسی کی۔

تفسیرِ بطن: یہ نعمتیں بھی ان کی باطنی قوتوں اور ظاہری اعضاء کو حاصل ہوں گی جو طاعت و بندگی کے زیور سے آراستہ ہیں۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾

وہ ایسے پیالوں پر چھینا جھپٹی کریں گے جس (کی شراب) میں نہ بکواس بکنے (کی خاصیت) ہے اور نہ گناہ میں ڈالنے کی۔

تفسیرِ بطن: یعنی لطائف کی استعدادات اور صلاحیت کے پیالے ایسی شرابِ مشاہدہ سے لبریز ہیں جو ہر باطل سے پاک ہے اور ہر اس چیز سے منزہ ہے جس سے اس کا نوش کرنے والا گناہگار ٹھہرے۔ ایسے پیالے ان کے لیے دارالجزا میں اس لیے ذخیرہ کیے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس دارالکسب میں اپنی استعداد کے پیالوں کو لغو، گناہ، جنسی بے راہ روی، جھوٹ، غیبت، تکبر اور حسد وغیرہ سے پاک رکھا۔ لہذا وہ دارالجزا میں اپنی پاکیزہ استعداد کے پیالوں میں شرابِ معرفت بھر بھر کر نوش کریں گے۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾

(اسے) ان کے پاس ان کے ایسے غلام لیے پھریں گے گویا کہ وہ (جیسے غلاف میں) چھپائے ہوئے موتی ہیں۔

تفسیرِ بطن: غلمان یعنی ایسے نوعمر جوان لڑکے جو ان کے اچھے اچھے اخلاق کا ثمرہ ہیں اور وہ لطافت و نظافت میں چھپے ہوئے موتی جیسے ہیں۔ مادی دنیا کی دھول اور خواہشاتِ نفسانی کے دھواں سے محفوظ ہیں۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ وہ آپس میں پوچھتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف منہ کریں گے۔

تفسیرِ بطن: یہ سوال اس نعمتِ اخروی کے بارے میں کریں گے کہ کیوں کر ہم اس کے حق دار ٹھہرے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

کہیں گے کہ ہم بھی اس سے پہلے اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے تھے۔

تفسیرِ بطن: ہمیں اس دارالکسب میں اپنے ان اعضاء و جوارح اور قوٰی کا ڈر تھا جن کو ہم اعمال کی انجام دہی کے لیے استعمال کرتے تھے اور انہیں غفلت کی اتھاہ گہرائی میں ڈبکی لگانے، لہو و لعب میں مشغول ہونے اور خواہشات و غضب کی آگ بھڑکانے سے روکے رکھتے تھے۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ سو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچا

لیا۔

تفسیرِ بطن: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں اہلِ خانہ کے فکر اور مالِ دنیا کے ڈر سے بچنے کی توفیق سے نوازا اور اس کی توفیق سے جو اعمال ہم بجالاتے تھے ان کے طفیل آخرت میں ان نعمتوں کا ذخیرہ کرنے کی توفیق بخشی۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس لُو کے عذاب سے بھی بچالیا جو خواہشات کی ہوا اور غیض و غضب کی آگ کا نتیجہ ہے۔ اس نے ہمیں یہ توفیق خواہشات کی چلتی ہوئی ہوا کی تسکین اور غصے کی آگ کو فرو کرنے کے لیے بخشی۔

اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۸﴾

ہم پہلے سے اسی کو پکارتے تھے۔ بے شک وہی بڑا نیک، نہایت رحم والا ہے۔

تفسیرِ بطن: لطیفۂ مرسلہ (پیغمبر) نے ہمیں اس امر کی اطلاع دی کہ وہ (اللہ) بر و رحیم ہے۔ ہم اپنے لطائف پر ایمان لائے۔ اس کے اچھے اچھے ناموں سے ہم نے اسے پکارا۔ اس کی مثالی صفات سے ہم نے اسے پہچانا اور ہم جان گئے کہ اول تو اس نے ہمیں وجود عطا کیا اور پیدا کیا اس لیے وہ بر یعنی بڑا نیک ہے۔ پھر اس نے ہم میں مرسل لطیفے بھیجے اور اس بات سے ہمیں آگاہ کیا کہ ہمارے اپنے وجود میں آگ، سانپ اور بچھو ہیں اور اس نے ہمیں یہ تعلیم بھی دے دی کہ اس آگ کو کس طرح بجھانا ہے اور ان سانپوں اور بچھوؤں کو کیسے مارنا ہے۔ صفاتِ ذمیمہ کو صفاتِ کریمہ سے بدل دینے کا ڈھب سکھایا۔ یہی صفاتِ کریمہ ہی وہ حور و غلمان ہیں جن کی صورتِ زیبا دیکھ کر ہم راحت و نعمت محسوس کر رہے ہیں۔

تذکیر و تسلی

فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾

پس یاد دلا، سو تیرے رب کا فضل ہے کہ تُو نہ کوئی کاہن ہے اور نہ ہی دیوانہ۔

تفسیرِ بطن: یعنی اے لطیفۂ حقیہ (محمد ﷺ)! اپنے قویٰ یعنی اُمت کو اس چیز کی یاد دلا، جسے واردات (وحی) کے ذریعے ہم نے تجھے سکھایا ہے، اور (تیری آنکھوں سے) پردہ ہٹا کر تجھے بینا بنایا ہے تاکہ تو ان چیزوں کا مشاہدہ

کرے جو غیب میں ہیں اور تجھے مشرک و منافق اور کافر قوّی کی زبان درازیوں کا اندیشہ نہ رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تُو کاہن ہے اور شیطان یہ باتیں تجھے القا کر رہا ہے یا تو کوئی پاگل ہے جس کی عقل کثرتِ مجاہدہ کی وجہ سے درہم برہم ہو چکی ہے اور ریاضت کی سختی کی بنا پر دماغ ماؤف ہو چکا ہے۔

حکمِ وجدان اس تفسیر کا باعث ہے

ان اشارات و رموز کو لکھنے کی مجھے جس نے دعوت دی ہے وہ میرا وجدان ہے کہ میں ان گہرہائے آبدار کو اس خزانے سے نکال لاؤں جس کا ہر امر اٹل ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ ہے اور نہ ہی ان لوگوں میں سے جن کو کافر یا دیوانہ کہا جانے کی پروا۔ میں حق بات کرتا ہوں اور سچی بات جانتا ہوں کہ:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (الانعام:۱۲۵)

اللہ جسے ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے تو اس کا سینہ تنگ اور سخت کر دیتا ہے۔ نیز فرمایا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ (البقرۃ:۲۶-۲۷)

(اللہ) اسی قرآن کے ذریعے بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہ کرتا ہے۔ وہ اس کے ذریعے فاسق لوگوں کے علاوہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پختہ کر چکنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝۳۰

کیا وہ کہتے ہیں کہ تُو شاعر ہے؟ جس کی حادثاتی موت کا ہم انتظار کرتے ہیں۔

جاری ہیں۔

القـــرآن

تفسیر جامع التنزیل والتاویل

شیخ حسام الدین بدلیسی نور بخشیؒ
ترجمہ: مولانا علی محمد محمدیؔ منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

(فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ (سورت الحجر: آیت ۲۹) پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں۔)

پس قرآن کی نسبت روح کی طرف ایسی ہے جیسی روح کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے اور قرآن کی نسبت روح کے ساتھ ایسی ہے جیسی ایمان کی نسبت اس (روح) کی طرف ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ (سورۃ النساء: آیت ۱۳۶)

اے یمان والو! تم اللہ پر اور اس رسول (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم) پر ایمان لاؤ۔

روحوں نے اس (دعوت ایمان کے پیغام) کو خطاب الٰہی:

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ (الاعراف:۷:۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

کے مقام پر سنا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن نفوس میں ایمان کی طرح مکتوب (لکھا ہوا) مرقوم، مرسوم اور مرکوز ہے۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ (المجادلہ:۲۲) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ثبت فرمادیا ہے۔

پس جب اللہ کسی ایک میں اس کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے معنوی سبب پیدا فرماتا ہے۔ جیسے فرشتہ یا حسی سبب پیدا فرماتا ہے۔ جیسے نبی چنانچہ اس اظہار کو انزال اور تنزیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور سبب معنوی کو جبرئیل اور اس سبب کے ظہور کو وحی اور تذکرہ کو تعلیم سے تعبیر فرمائی گئی ہے۔

طٰہٰ ۚ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ﴿۲﴾ اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۙ﴿۳﴾ (طہ:۱۔۳)

طاہا(اے محبوب مکرم) ہم نے آپ پر قرآن (اس لئے) نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقّت میں پڑ جائیں۔ مگر (اسے) اس شخص کے لئے نصیحت (بنا کر اتارا) ہے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔

اسی بنا پر کہا گیا (بارگاہ الٰہی سے) علم پائے ہوئے انبیاء (علیہم السّلام) اولیاء، علماء اور حکماء (کلام الٰہی سے) باخبر ہوتے ہیں۔ جو کلام (الٰہی) لوح محفوظ، ملک عقل فعال اور نفس کلیہ میں ثبت ہوتا ہے۔

تفسیر کا لفظ تفسرہ سے لیا ہے جس کا مطلب علامت اور نشانی ہے۔ مریض کی صحت اور مرض کے حال کو دریافت کرنے کے لیے اس کے پیشاب کو شیشے میں ڈال کر طبیب کے معائنہ کرنے کو تفسرہ کہتے ہیں۔

مفسرین کی اصطلاح میں آیت کا مقام و مرتبہ اس لیے احوال و واقعات، اس کے معنی و مفہوم اور سبب نزول بیان کرنا تفسیر کہلاتی ہے۔

اس سے ناقص رائے پر مبنی ذریعہ دلیل و بریان کے طریقے سے ثابت قول پر اس بات کو امتیاز حاصل ہوتا ہے، جو عقل صریح سے محکم اور نقل صریح سے پختہ ہے۔

اور تاویل آیت کو اس معنی و مفہوم کی طرف پھیرنے سے عبارت ہے جو اپنے ما قبل اور ما بعد سے موافقت و مطابقت رکھتا ہے۔ یہ "اول" سے مشتق ہے جس کا معنی لوٹنا اور رجوع کرنا ہے۔

پس تفسیر کے چار اجزاء ہیں۔

(۱) آیت کا مقام و مرتبہ اور حال

(۲) آیت کے قصص و واقعات

(۳) آیت کا معنی و مفہوم

(۴) آیت کی شان نزول،

تفسیر سماع پر موقوف ہے۔ سو اس میں رائے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ لہٰذا جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اس نے کفر کیا اور جو قرآن کے بارے میں محض اپنی رائے سے رائے زنی کرے اور وہ درست بھی ہو

تو اس نے خطا کی۔ چنانچہ تفسیر نبوت و رسالت کا نتیجہ ہے جب کہ تاویل طریق ولایت سے حاصل ہوتی ہے اور ولایت اللہ کا قرب اور اس کی معرفت پانے سے عبارت ہے اور یہ دونوں اللہ کے سوا کسی سے حاصل نہیں ہوتے اور نبوت ان احکام شرعی سے عبارت ہے جو فرشتے (وحی) کے ذریعے کسی انسان (نبی) کو حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ ولایت، اللہ کے تعلیم وارشاد سے حاصل ہوتے ہیں۔

ولایت (کی صلاحیت، صفاء قلب کی بناپر) کفار میں بھی موجود ہوتی ہے۔ اس لیے ولایت نبوت سے عام ہے اور وہ نبوت کے مبادیات میں سے ہے۔ جیسا کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم ہے:

يَا عَلِيُّ (علیہ السّلام) كُنْتَ مَعَ الْاِنْبِيَآءِ سِرًّا وَصِرْتَ مَعِيَ جَهْرًا

اے علیؑ! آپ انبیاء کے ساتھ پوشیدہ و مخفی طور پر تھے اور میرے ساتھ ظاہراً ہیں۔

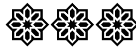
اسی بناپر موسیٰ علیہ السّلام کو صاحب ولایت خضر علیہ السّلام کے اسرار ولایت سے استفادہ کا حکم دیا گیا۔

چنانچہ ولایت نبوت سے عام اور نبوت ولایت سے خاص اور افضل واتم ہے۔

پس تاویل تفسیر کے بر خلاف سماع کے بغیر ہر اس شخص کے لئے جائز ہے جو اسرا حقایق کا عارف ہے جیسا کہ اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

لو اب حقیقی باشادہ، معبود بر حق کی مدد و نصرت سے اپنے مقصود کی طرف لوٹ آتا ہوں جس سے ہر امر کا آغاز اور اسی کی طرف انجام ہوتا ہے۔

(جاری ہے)



فقہ

شرح فقہ احوط

مفتی علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

(اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے دین میں کچھ بھی تنگی نہیں رکھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا'' یعنی تم آسانی پیدا کرو تنگی پیدا نہ کرو۔)

فَالطَّهَارَةُ الظَّاهِرِيَّةُ عَلٰى نَوْعَيْنِ صُغْرٰى وَكُبْرٰى فَفِي الصُّغْرٰى وَجَبَتِ النِّيَّةُ وَهِيَ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ قَلْبِكَ اَتَوَضَّؤُ لِرَفْعِ الْحَدَثِ وَاسْتِبَاحَةِ الصَّلٰوةِ لِوُجُوْبِهٖ قُرْبَةً اِلَى اللهِ وَاِنْ جَرَتْ عَلٰى لِسَانِكَ مَعَ الْقَلْبِ فَصَوَابٌ

ظاہری طہارت کی دو قسمیں ہیں :

1. طہارت صغریٰ یعنی (وضو)
2. طہارت کبریٰ یعنی (غسل)

چھوٹی طہارت (وضو) میں نیت واجب ہے جو کہ دل ہی دل میں یوں کہنا ہے:

اَتَوَضَّؤُ لِرَفْعِ الْحَدَثِ وَاسْتِبَاحَةِ الصَّلٰوةِ لِوُجُوْبِهٖ قُرْبَةً اِلَى اللهِ۔

میں حکمی نجاست کو دور کرنے اور نماز کی ادائیگی کو مباح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر وضو کرتا ہوں۔

اگر یہ الفاظ دل میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی جاری ہو جائیں تو درست ہیں۔

تشریح

اس عبارت کے دو حصے ہیں:

پہلے حصہ میں یہ بتایا ہے کہ ظاہری طہارت جسے مجازی پاکی کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔ اولین تقسیم سے صرف نظر کیا گیا کیونکہ وضو و غسل اور تیمم کے احکام کے بعد ظاہری نجاستوں کی فہرست اور ان کے ازالے کا تفصیلی بیان آرہاہے۔ اس سے اس حقیقت کا بیان از خود ہو جاتا ہے کہ طہارت ظاہری کی پہلی قسم تو وہ ہے جس کا تعلق بدن، کپڑے اور جگہ کو ناپاکیوں سے پاک کرنے سے ہے۔ اس کو طہارت عن الخبث یعنی ظاہری نجاستوں سے پاکی کہتے ہیں۔ یہ نجاستیں آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ مثلاً بول و براز اور خون وغیرہ۔

دوسری قسم کا تعلق طہارت عن الحدث سے ہے۔ اسے حکمی نجاستوں سے پاکی بھی کہتے ہیں۔ طہارت ظاہری کی ثانوی تقسیم کا تعلق طہارت عن الحدث سے ہے۔ اس کی رو سے طہارت ظاہری کی دو قسمیں ہیں:۔

1. صغریٰ یعنی (وضو)
2. کبریٰ یعنی (غسل)

زیر تشریح عبارت کے دوسرے حصہ میں طہارت صغریٰ (وضو) کے واجبات میں سے پہلے واجب یعنی نیت کا بیان ہے۔ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میر سیّد محمد نور بخش علیہ الرحمۃ کے ہاں وضو میں نیت واجب ہے۔ یہی حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے۔ فقہ جعفری کی رو سے بھی وضو میں نیت واجب ہے۔ البتہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں وضو میں نیت واجب نہیں، مسنون ہے۔

وضو میں نیت کے واجب نہ ہونے پر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ قرآن و سنت میں کوئی آیت یا حدیث ایسی نہیں جس کی عبارت وضو میں نیت کے واجب ہونے پر نص ہو۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ والی حدیث وضو میں نیت کے واجب ہونے پر نص نہیں۔ یہ صرف جملہ اعمال میں اصلاح نیت اور اخلاص فی العمل کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

وضو میں نیت کے واجب ہونے کے دلائل:

ا۔ آیت وضو کے شروع میں فرمایا ہے:۔

اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَ اَيۡدِيَكُمۡ (المائدہ:۷)

تمام مفسرین نے "اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ" کی تفسیر "اِذَا اَرَدْتُّمُ الْقِيَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا" کے ساتھ کی ہے۔ "فَاغۡسِلُوۡا" کی جزا "اِذَا اَرَدْتُّمْ" کی شرط پر مرتب کی ہے۔ "فَاغۡسِلُوۡا" "اِسْتِبَاحَةِ الصَّلٰوةِ" کے لیے شرط ہے اور "اِذَا اَرَدْتُّمُ الْقِيَامَ اِلَى الصَّلٰوة" "فَاغۡسِلُوۡا" کے لیے شرط ہے۔

شَرْطُ الشَّرْطِ شَرْطٌ جو شرط کی شرط ہے۔ وہ بھی شرط ہوا کرتی ہے۔

الغرض آیت کریمہ کی عبارت سے اگرچہ نیت کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا، البتہ آیت کی اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے۔

۲۔ وضو میں نیت کے واجب ہونے پر فقہائے نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَءَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ ط

تمام اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ملے گا۔ پس جن کی ہجرت دولت دنیا حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہو۔ پس اس کی ہجرت انہی چیزوں کے لیے ہو گی جن کے حاصل کرنے کی نیت سے اس نے ہجرت کی ہے۔

محدثین کے ہاں اس حدیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

اس حدیث سے جب اصلاح نیت کا وجوب ثابت ہوتا ہے تب نفس نیت کا وجوب بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

الغرض اس حدیث کی عبارت النص سے اگرچہ وضو میں نیت کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ دلالۃ النص سے اس کا وجوب ضرور ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ تیمم وضو کا بدل ہے۔ تیمم میں نیت بالاتفاق واجب ہے۔ جب بدل میں نیت واجب ہے تو اصل میں بھی اس کا وجوب ثابت ہوگا۔

سوال: تیمم میں نیت کا واجب ہونا"فَتَيَمَّمُوْا" کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قصد کے معنی پر دلالت کرتا ہے جو کہ نیت کو کہتے ہیں۔ وضو کی آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو نیت پر دلالت کرے۔

جواب: اگر تیمم میں "تَيَمَّمُوْا" کا لفظ نیت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے تو وضو میں "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ" کے الفاظ وجوب نیت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اس کی تفسیر مفسرین نے متفقہ طور پر "اِذَا اَرَدتّمُ الْقِيَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ" کے ساتھ کی ہے۔ ارادہ، قصد اور نیت سب ایک ہیں۔

نیت سے مراد وضو میں اپنے عمل سے اللہ کے قرب و رضا کی خاطر ازالہ حدث اور "اِسْتِبَاحَةِ الصَّلٰوة" دونوں کا یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا عزم جزم کرنا ہے۔ عزم جزم کا تعلق دل سے ہے۔ گویا کہ نیت قلبی اعمال میں سے ہے، لسانی یا بدنی اعمال میں سے نہیں ہے۔ زبان سے نیت کے الفاظ تو پڑھ لیے مگر دل اس سے غافل ہے تو اس نیت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ دل میں نیت کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی یہ الفاظ جاری ہو جائیں تو درست ہے۔

واضح رہے کہ راقم الحروف سے قبل جن مترجمین نے "فَصَوَابٌ" کا ترجمہ "بہتر صورت ہے" "زیادہ

بہتر ہے" کے ساتھ کیا ہے، وہ درست ترجمہ نہیں ہے کیونکہ عربی میں "صَوَابٌ" کے معنی جائز، درست، صحیح اور ٹھیک کے ہیں۔ بہتر اس کا معنی نہیں ہے۔

صَوَابٌ کی ضد "خَطَا" ہے۔ چنانچہ صاحب المنجد لکھتے ہیں:۔

"الصَوَاب": ضد الخطا (اللایق) (الحق)　(المنجد دار المشرق بیروت لبنان صفحہ ۴۳۹)

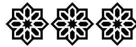
المعجم الوسیط والے لکھتے ہیں:۔

"الصَوَاب": درستگی، صحت (۲) حق، درست　(المعجم الوسیط المکتبہ الرحمانیہ لاہور صفحہ ۶۲۰)

مطب یہ ہے وضو میں دل کے ساتھ ساتھ زبان پر نیت کے الفاظ جاری ہو جائے تو یہ درست سمجھی جائے گی لیکن بہتر ہونے کا حکم نہیں ہے۔ گویا کہ نیت کی کل چار صورتیں ہوئی۔

1. دل میں نیت کے الفاظ پڑھے زبان پر نہیں پڑھے۔　درست
2. دل میں نیت کے الفاظ پڑھے زبان پر بھی پڑھے۔　درست
3. نیت کے الفاظ زبان پر پڑھے دل میں نہیں پڑھے۔　غلط
4. نیت کے الفاظ زبان پر نہیں پڑھے اور دل میں بھی نہیں پڑھے۔　غلط

(جاری ہے)



حدیث نبوی ﷺ

اجتماعی ذکر الٰہی اور حلقۂ ذکر

تحریر: غلام حسن حسنو

گزشتہ سے پیوستہ

(نوٹ :اس عنوان سے ایک حدیث نبوی ﷺ ،اس کا اردو ترجمہ، تخریج اور تشریح پیش کی جاتی ہے۔)

یہاں ایک طویل حدیث دی جارہی ہے کیونکہ حدیث طویل ہے اس لئے ہم متن حدیث کے بجائے اس کا مفہوم دے رہے ہیں۔ حضرت اعمش نے ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ کرام کاتبین کے علاوہ ہیں۔ جب وہ ایسی قوم پر سے گزرتے ہیں جو ذکر الٰہی کر رہی ہو تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اپنی حاجتیں پیش کرو۔ پھر وہ ان حاجتوں کو اپنے پروں پر اٹھاتے ہیں اور آسمان میں لے جاتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ سے یوں مکالمہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ: میرے فرشتو! تم میرے بندوں کو کس حال میں کیا کرتے ہوئے چھوڑ آئے ہو؟

فرشتے: پروردگار! تیرے بندے تیری حمد اور بزرگی بیان کررہے ہیں اور تیرے ذکر میں مصروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ: میرے فرشتو! کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟

فرشتے: پروردگار! نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ: میرے فرشتو! اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہوگا؟

فرشتے: پروردگار! پھر تو وہ اور بھی خوب حمد پڑھیں گے اور بھی کثرت سے تیری بزرگی بیان کریں گے اور بھی زور شور سے تیرا ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو! وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟

فرشتے:　پروردگار! وہ جہنم سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو! کیا انہوں نے جہنم دیکھ لیا ہے؟

فرشتے:　پروردگار! انہوں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو! اگر وہ اسے دیکھ لیں تو؟

فرشتے:　پروردگار! پھر تو وہ اور بھی زیادہ اس سے دور بھاگیں گے اور اس سے شدید نفرت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو! پھر وہ کیا طلب کرتے ہیں؟

فرشتے:　پروردگار! وہ تو جنت کے خواستگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو! قَدۡ غَفَرۡتُ لَھُمۡ۔ میں نے انہیں بخش دیا

فرشتے:　پروردگار! ان میں فلاں فلاں شخص بھی ہیں جو گناہگار ہے اور وہ محض اپنی ضرورت کے لئے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو!

ھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَشۡقٰی بِھِمۡ جَلِیۡسٌ یہ ایسی قوم ہے جن کے نزدیک رہنے والے بدبخت نہیں رہتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

اللہ تعالیٰ:　میرے فرشتو!

قَدۡ غَفَرۡتُ وَ اَعۡطَیۡتُھُمۡ مَا سَئَلُوۡا وَ اَجَرۡتُھُمۡ مِمَّا اسۡتَجَارُوۡا میں نے انہیں بخش دیا وہی دے دیا جو وہ مانگتے تھے اور وہی اجر و ثواب دیا جو وہ چاہتے ہیں۔

ایک فرشتہ: پروردگار! ان میں فلاں شخص نہیں ہو سکتا جو محض اپنی ضرورت کے لئے آیا ہوا ہے۔

ایک اور روایت میں یوں آیا ہے کہ:

فرشتے: پروردگار! ان میں فلاں گنہگار ہے وہ کہیں جارہا تھا لیکن دوسروں کو ذکر کرتے دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا جو محض اتفاقیہ بات ہے۔

اللہ تعالیٰ: میرے فرشتو!

وَلَهٗ غَفَرْتُ هُمْ قَوْمٌ لَّا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسٌ یہ ایک ایسی قوم ہے جن کے نزدیک رہنے اسلے بدبخت نہیں رہتے۔

یہ حدیث اسی طرح اور معمولی فرق کے ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں میں منقول ہے۔

1. ریاض الصالحین حدیث نمبر ۱۴۴۷۔
2. اورادامیریہ ص ۴۶، ۴۷۔
3. مصنفات فارسی سمنانی ص ۲۸۹۔
4. دو رسالہ ہائے سمنانی ص ۱۴۲۔
5. مکاشفۃ القلوب ص: ۳۷۶۔
6. انسان نامہ ص ۱۱۶۔

یہ حدیث قدسی ہے۔ اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے ذکرِ اجتماعی کا ثبوت ملتا ہے۔

۲۔ ذکر الٰہی کے لئے حلقہ بنانا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ اجتماعی حلقۂ ذکر میں شریک ہونے والے ۲ قسم کے لوگ ہیں اول ذکر کی غرض سے شریک دوم دنیوی اغراض سے یا بلاارادۂ ذکر شریک۔

۴۔ اس سے اجتماعی ذکر الٰہی اور حلقۂ ذکر کی فضیلت وافادیت اور اجر و ثواب واضح ہو جاتی ہے۔

۵۔ حلقۂ ذکر میں ذاتی اغراض کے لئے جانا بھی فائدے سے خالی نہیں جبکہ ذکر الٰہی کی نیت سے شرکت کی اہمیت کا کیا کہنا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذکر اجتماعی میں شریک لوگ خوش قسمت ہیں۔

۷۔ حلقہ بنائے ذکر اجتماعی کرنے والے کا سوال نہیں محض چند لمحے ان کے ساتھ بیٹھنے سے آدمی کی قسمت بدل جاتی ہے اور بدبختی سے نکل کر خوش قسمت بن جاتے ہیں۔

۸۔ اجتماعی حلقۂ ذکر میں فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں۔

۹۔ حلقۂ ذکر میں پیش کردہ حاجتوں کو فرشتے پروں پر اٹھائے درگاہِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں۔ پھر قبولیت نہ ہونے کا کیا سوال؟

۱۰۔ جس مجلس ذکر میں سیاحون الارض نامی فرشتے شریک ہوں اس کی فیضان کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟



تراجم مخطوطات

بهجة الطائفه

حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسیؒ
ترجمہ: مولانا علی محمد محمدی منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

(اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کو رات کے ایک حصہ میں سیر کرائی اور ان کو ایک حیات عطا فرمائی اور عبودیت میں درجۂ کمال پر فائز ہونے کی وجہ آپ ﷺ کو عبد سے موسوم کیا کیونکہ عبودیت مسکنت کا تقاضا کرتی ہے۔)

انبیاؑ کی مسکنت

جب آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں مسکنتِ نبوت کے علاوہ بھی ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ نے اپنے رب سے انبیاؑ اور مرسلین میں مساکین کے زمرہ میں شمولیت اور ان کے ساتھ ان کی مسکنت میں الحاق کی التجا فرمائی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا[1] اے اللہ! تو مجھے مسکین زندہ رکھ اور اور مسکین کی موت عطا کر۔

جیسا کہ حضرت سلیمان بن داوود علیہما السلام کا ارشاد ہے۔

مِسْکِیْنٌ جَالِسٌ مِسْکِیْنًا مسکین، مسکین کے ساتھ ہی بیٹھا کرتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ اپنی طرف سے متابعت کی شرط کا اظہار فرمایا جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ[2]

پس آپ صبر کریں جس طرح دوسرے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کا صبر شدید مسکنت اور انکساری اختیار کرنا ہے تو گویا آپ ﷺ نے عرض کیا مجھے مسکنتِ انبیا کی سنت پر زندہ رکھ کیونکہ مسکنتِ ولایت آپ ﷺ کی امت کے لئے مخصوص ہے، آپ کے لئے نہیں، اللہ کی بارگاہ سے آپ ﷺ کے بلند و بالا مقام سے کم مرتبہ مانگنا تواضع اور عاجزی کا اظہار ہی تو ہے۔

دوسرا معنی: آپ ﷺ کا انانیت کے فتنہ سے بچنے کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ یہ لفظ انانیت (تکبر) کے فتنہ

1. انظر المعجم المفهرس ٦:٢٢٦، تحت: سکن۔
2. سورۃ الاحقاف آیت ٣٥

سے بچاو کا متقاضی ہے۔ اگر آپ ﷺ یہ فرماتے:

اُحْشُرْهُمْ فِيْ زُمْرَتِيْ[3] ان (مساکین) کو میرے زمرے میں حشر فرما۔

تو یہ یقیناً امن پانے کا قول ہوتا نہ کہ خوف و خشیت رکھنے والے کا قول، اور آپ ﷺ آمنین کے قول سے احتراز فرمایا، پس آپ ﷺ نے خائفین کی بولی اپنائی۔ یہ فرمان امن ہوتا نہ کہ خوف پیدا کرنے والا اور عصمت آمنین کے قول سے حفاظت کرتی ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اَنَا اَعْرِفُكُمْ بِاللهِ وَ اَشَدُّ كُمْ لَهٗ خَوْفًا[4]

تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے بڑھ کر اس سے ڈرتا ہوں۔

(تیسرا معنی) اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ آپ ﷺ کی امت کا حشر آپ ﷺ کے ساتھ کرے یہ اس لئے ذکر کیا تاکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تواضع کا اظہار ہو تاکہ وہ آپ ﷺ سے بلا کسی جھجک رشد و ہدایت حاصل کر سکیں نتیجۃً وہ یہ جانیں کہ اللہ کی بارگاہ میں مسکنت کی قدر و منزلت کیا ہے؟ تاکہ ان کے اندر مقتدی کی صفت پیدا ہو سکیں تاکہ وہ تعلیم و تفہیم کی راہ میں منتہی کے مقام سے اتر کر مبتدی کے درجہ میں تعلیم و تفہیم کریں۔؟ ورنہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کے لئے شفاعت فرمانے والا، ہدایت سے نوازنے والا، ان پر دنیا اور آخرت میں رووف رحیم ہیں آپ ﷺ کی شان نہیں کہ آپ ﷺ ان کے زمرے میں ہو بلکہ وہ صحابہ کرم رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے زمرے میں ہوں یہاں تک کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی آپ ﷺ کے زمرے میں شامل ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيًّا لَّمَا وَسَعَهُمْ اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔[5]

اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اور آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ الْخَلِيْلُ يَحْتَاجُ اِلَيَّ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمَ

3۔ انظر المعجم المفهرس ٦:٢٢٦، تحت:سکن۔

4۔ انظر ایضاً صوم القلب۔ فصل ١٣، ص٣٣ سطر ٣

5۔ قارن بما ورد فی سنن الدارمی، تحقیق عبداللہ ہاشم یمانی مدنی۔ ١:٩٥، حدیث رقم ٤٤١۔

اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف احتیاج رکھیں گے۔

(چوتھا معنی) یہ آپ ﷺ نے فقراء کی جماعت، اصحابِ صفہ میں اہل صفوہ کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے فرمایاہے تاکہ ان کی فقیرانہ زندگی کی خوشی میں اضافہ ہو۔ جیساکہ حدیث پاک میں آیاہے:

آپ ﷺ ایک دن اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرماتھے آپ ﷺ ان کا فقر، ان کا جھد اور اس پر ان کی قلبی خوشی کو ملاحظہ فرمایاتو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَهْلَ الصُّفَّةِ فَمَنْ بَقِيَ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَىٰ نَعْتِ الَّتِيْ أَنْتُمْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مِنْ رِفَاقَتِيْ فِي الْجَنَّةِ

اے صفہ والو! جس وصف اور کردار پر تم قائم ہو اس پر میری باقی امت میں سے جو بھی قائم رہے تو وہ جنت میں میری رفاقت میں ہو گا۔

یہ قیامت تک آپ ﷺ کی امت کے فقراء کے لئے شرف اوراعزاز ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے ذریعے عزت بخشی اور انہیں اپنی ولایت ودوستی کرامت عطافرمائی اور انہیں اپنی معرفت کے سمندر سے سیر اب فرمایااور اپنی مخلوق میں اپنی محبت سے مخصوص فرمایاسو اپنی بارگاہ میں ان کی عزت کی خاطر اس کے ذمہ ان کی کرامت کے لئے فقر کے حال کی عظمت بیان فرمایااور انہیں فقر کی معرفت عطافرمائی اور رازِ فقر کی معرفت سے نقاب کشائی فرمائی تو فقر ان کا شعار اور کردار بن گیا۔



فصل ٦: فقر اور غنی کا بیان

درحقیقت فقر ہی میں غنی (تونگری، دولت مندی) کا راز ہے سو جو خوش نصیب ماسو اللہ سے مستغنی وبے نیاز ہو جائے وہ اللہ کی طرف فقر اختیار کرتاہے اور جو اللہ کی طرف فقر واحتیاج اختیار کرتاہے تو اللہ کے سوا کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا اور وہ اللہ ہی کی خاطر ماسو اللہ سے مستغنی ہوتاہے وہ حق تعالیٰ سے غیرِ حق مانگنے سے کنارہ کش ہوتاہے اس لئے کہ اس شخص کے لئے جو اللہ کی طرف مقامِ فقر پر فائز ہوتاہے تو اس کے لئے اللہ سے غیر اللہ مانگنا جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ سے غیر اللہ مانگنا غنی باللہ کے لئے ہی سزاوار ہے۔

غنی باللہ: اللہ سے غیر اللہ کیوں مانگتاہے؟

پس غنی باللہ کے لئے اللہ کی طرف سے اذن موجود ہونے کی وجہ سے اللہ کی مخلوق کی مصالح و بھلائی کے لئے اللہ کی بارگاہ سے غیر اللہ مانگنا جائز ہے۔

جہاں تک اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والا اگر اللہ سے غیر اللہ مانگے تو مفید چیز کو چھوڑ کر غیر مفید کا طالب بن جانے کی وجہ سے اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے، قریب ہے کہ اس کو دھتکار دیا جائے، غضب کا شکار کر دیا جائے اور اپنی معرفت سے محجوب کر دیا جائے اس لئے کہ حقیقت کے فصلہ کی روشنی میں، جس کسی نے اللہ کی طرف مقامِ فقر کی حالت میں اللہ سے غیر اللہ مانگا تو یقیناً اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس مقام کا تقاضا ہے کہ:

اس کی نگاہ میں اللہ کے سوا کوئی نہ ہو، اس کے خیال میں اللہ کے سوا کوئی خیال پیدا نہ ہو، اس کی زبان پر اسم اِلٰہی کے سوا کچھ جاری نہ ہو، اس کے دل میں محبت اِلٰہی کے علاوہ کچھ موجود نہ ہو، اور دل، بحر احدیت میں مستغرق ہو۔

پھر وجود میں اسے غیر اللہ کا علم کیسے ہو احالانکہ اس نے اس (کے قلب و باطن) سے غیر اللہ بھلا دیا ہے؟ اس لئے کہ وہ ماسوا اللہ کا بھولا ہے وہ فنا فی اللہ (ہوا) ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ کے ساتھ ہے سو وہ اللہ کے لئے طلب سے بے پرواہ نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے فقر کا اختیار کرنے کا مقام مشاہدۂ الٰہی کے شرابِ طہور پینا ہے وہ مقامِ شرب پر فائز ہے نہ کہ مقامِ قرب پر۔

اور مشاہدۂ حق جمالِ الٰہی کے پردوں کے پیچھے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سائر (سیر کرنے والا) ہے اور وہ صفاتِ الٰہی کی تجلیات کے مقام کی طرف واصل (پہنچا ہوا) ہے اور اس کا مقام اللہ کی صفات کی تجلیات ہے مقامِ فقر اختیار کرنے کی صفت سے موصوف ہے وہ تمام مشاہدات اور کشوف سے مستغنی ہے۔ پس وہ اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

فقرِ اختیاری کا مفہوم اور اس کی حقیقت

اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کی حقیقت کا مطلب لوگوں کے وجود سے مستغنی ہو جانے سے عبارت ہے اور حقیقت میں استغناء کا معنی لوگوں کو اپنی ہمت اور دعا سے غنی بنانا ہے اور بعض اکابرینِ دین کا فرمان ہے:

اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللہ جب فقر درجہ تمامیت کو پہنچے تو وہ اللہ ہے۔

اور یہ اللہ کی راہ میں ماسوا اللہ سے اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کے مقام کی انتہائی قدم ہے تا کہ وہ اللہ کی خاطر ماسو اللہ سے تونگری اور دولتمندی اختیار کرنے والا بن جائے۔

پس فقرِ تام سے مراد سلوک وذوق کے طریقے سے فقر اختیار کرنے والا اس مقام تک رسائی پا جائے کہ تمام احوال اور مشاہدات اسے تعجب میں نہ ڈالے، نافرمان نہ بنائے، لذت نہ دے اور نہ اسے معرفتِ حق سے محجوب کر دے۔ کیونکہ اس نے اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کی وجہ سے معرفتِ الٰہی کی لذت پالی ہے اور وہ اس میں مستغرق ہوا یہاں تک کہ وہ اس میں فنا ہوا ہے سو جب اس کا اپنا کچھ نہ بچا تو بقاء کی صفت کے ساتھ موصوف ہوا چنانچہ وہ اللہ کے ساتھ باقی ہوا تو وہ اس اللہ کے بارے میں خبر دیتا ہے پھر فقر تمام ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں خود خبر دیتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں اللہ کے پاس سے خبر دیتا ہے اور جب وہ اللہ کے بارے میں اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے تو فقر اسے اللہ تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کا ثمرہ اللہ تک رسائی پا جانا ہے اور جو اللہ تک رسائی پا جائے وہ اللہ کے بارے میں خبر دیتا ہے اور جب اللہ کے بارے میں خبر دیتا ہے تو فقر تمام ہو جاتی ہے۔

اللہ کی طرف سے فقر تمام ہونا حاجتمندی باقی نہ رہنا ہے اور جس کو ہر حال میں کوئی حاجت ہی نہ ہو وہ اللہ ہے پس یہ صفت کسی بھی مخلوق کی نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی صفت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی طرف فقر اختیا کرنا اور حاجتمند ہونا ہے۔

سو ماسوا اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والا، وہ اللہ تک رسائی پانے کی وجہ سے ماسوا اللہ سے استغناء کرنے والا ہے اس لئے کہ اللہ کے سوا انہیں کسی کی بھی حاجت نہیں رہتی یہ ان کی ہمتوں کی بلندی، ان کے قلوب کی صفائی وستھرائی اور ان کے اسرار کی پاکیزگی کی وجہ سے ہے انہوں نے دنیا کی محبت ترک کر دی ہے چنانچہ اللہ نے اس کے بدلے انہیں آخرت کے ذخیرے عطا فرمائے ہیں چونکہ انہوں نے اس دنیا کا شغل اختیار نہیں کیا اسے اللہ نے انہیں اس دنیا کے بدلے میں اپنی انس ومحبت ہمیشہ اپنی طرف نظر اور ہمیشہ اپنے ساتھ وقوف عطا فرمائی ہے۔ ان کی انس ومحبت اللہ کے ساتھ نہیں بلکہ ان کی انس ومحبت اس حال کے ساتھ ہی

ہے جو ان کا اللہ کے ساتھ ہے۔ان کی نظر اللہ کی طرف نہیں بلکہ اللہ کے مشاہدہ کی طرف ہے۔ان کا اللہ کے ساتھ وقوف کا مطلب اللہ کے امر کے ساتھ وقوف کرنا ہے۔پس وہ اللہ کی طلب و تلاش میں ہیں یہاں تک کہ وہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) اور فقرا ٔ اللہ (اللہ کے محتاجوں) میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے حق میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

رُبَّ اَشْعَثُ اَغْبَرُ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُؤَبَّهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ [6]

بہت سے غبار آلود بالوں اور پھٹے کپڑوں والے ہیں جس کا انکار نہیں کیا جاتا اگر وہ کسی معاملے پر قسم کھالیں تو اللہ اسے پورا کرے گا۔

بعض لوگ مقامات فقر میں طلبِ فقر کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، بعض لوگ علمِ فقر کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور بعض لوگ خزانہ ہائے فقر کے غنی ہیں یہی لوگ بذل و ایثار کے مالک ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [7]

اوراپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو۔

اور بعض لوگ مقاماتِ فقر میں اس فقر پر قائم ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ماسوا اللہ سے بے رغبت ہو جاتے ہیں یہی لوگ توکل اور کمالِ ایمان والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ [8]

ان کے زہد کے باعث نادان انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے۔

اور بعض لوگ فقر کے ساتھ ایسی وابستگی اختیار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں فقر کی مقام و منزلت معلوم ہونے کی وجہ سے فقر کی سختیاں برداشت کرلیتے ہیں یہی لوگ صبر کے مالک ہوتے ہیں۔جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْفُقَرَآءُ الصَّابِرُوْنَ هُمْ جُلَسَآءُ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

---

6. المعجم المفہرس ۱:۱۵۹، تحتِ ابر ـ و ۳:۳۴، تحت اشعث
7. سورۃ الحشر آیت ۹
8. سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۳

صبر کرنے والے فقراء قیامت کے اللہ کے ہمنشین ہوں گے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے فقر کی معرفت حاصل کی ہے اور فقر کی انتہا تک رسائی پا گئے ہیں اس لئے اللہ فقر ہی کی وجہ سے انہیں فقر نے فقر کے سوا ماسوا اللہ کے فقر سے بے نیاز کر دیا ہے اور یہاں عنقریب ان کیے فقر کی شرف و منزلت کی بناء پر علمِ حقیقت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ رازِ فقر کے ثمرہ کی لذت اور ذائقہ چکھتے ہیں یہی لوگ فقرِ حقیقی پر فخر کرنے والے ہیں جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ فقر میرا فخر ہے۔

اس مقام سے فقر اختیار کرنے اور فقر پر فخر کرنے والے، فقر کے مقام سے احوال میں ترقی کے مقامات میں داخل کر دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ماسوا اللہ سے تعلقِ محبت قطع کرنے کی طرف رسائی پا جاتے ہیں۔

فقراً مقامِ تجلی میں

پس یہ لوگ تجلیاتِ (حق) میں، صفاتِ ذاتی کی تجلیات، صفات افعالی کی تجلیات اور صفاتِ اسماء کے درمیان مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے بعد جمال کے پردے ہیں سو اگر وہ اس کو قطع کرے تو تجلیات کی صفت کو رسائی پا جائے گا جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گی اور یہی حقیقی تجلیات ہیں ورنہ وہ لوگ ان تجلیات کے قیدی ہیں جو جمالِ حق کے پردے سے ظاہر ہوں گی جمالِ حق کا پردہ، صفاتِ اسماء اور صفاتِ افعال کی تجلیات کے مقام میں ہے۔ اور اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والے کا مقام، صفاتِ اسماء اور افعال کی تجلیات کے احوال اسے تشفی نہیں دیتے کیونکہ معرفت الٰہی کا بلند ترین آفتاب اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والے کے مقام میں ضوفشانی کرتا ہے اسے انہیں اللہ کے غیر سے کوئی شفاء نہیں ملتی یہاں تک کہ آفتابِ صفاتِ ذات کی تجلیات ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اہل معرفت کی علامت

اللہ کی معرفت حاصل کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ:

اس کی عادتیں، عبادت اور اس کی عبادتیں، اشارات بن جاتی ہیں، اس کی حرکات و سکنات حالات اور اس کے ارادے واردات بن جاتے ہیں، اس کی باتیں، مناجات اور اس کے معاملات، مشاہدات بن جاتے ہیں۔ اس کے ساعات (اوقات) منازلات بن جاتے ہیں، اس کے خطرات (خیالات) محدثیات بن جاتے ہیں، اس کی ناراضگی،

تباہ کن ہو جاتی ہے اور اس کی رضا وخوشنودی، منجیات (نجات کا باعث) ہو جاتی ہے۔

سو جب حضور نبی اکرم ﷺ نے فقر کا انتہائی مقام ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ نے (فقر کی) مدح سرائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِیْ حِرْفَتَانِ مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ اَلْفَقْرُ وَ الْجِهَادُ

میرے دو پیشے ہیں جس نے انہیں چاہا گویا اس نے مجھ سے محبت کی وہ فقر اور جہاد ہیں۔

جہاں تک آپ کے فقر کا تعلق ہے اس کی خوبی، ماسوا اللہ سے فقر اختیار کرنا اور اللہ سے غناً حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنِّیْ اُبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ فَیُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ [9]

یقیناً میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور وہی پلاتا ہے۔

اور غنی باللہ کے حال کی خوبی یہ ہے کہ وہ، قانونِ قدرت کے مطابق کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود آسمانوں اور زمین میں اللہ کے خزانوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ انہی کی وصف میں کہا گیا ہے:

یَمْنَعُهُمْ عُلُوُّ هِمَمُهُمْ عَنْ رَّفْعِ حَوَآئِجِهِمْ اِلَّا اِلٰی مَوْلَاهُمْ

ان کی بلند ہمتی انہیں حاجتیں اپنے مولیٰ (اللہ) کے سوا کسی اور کے سامنے پیش کرنے سے روکتی ہے۔

اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مانگتے، کیونکہ ہمت اللہ کی طرف سے ان کی طرف پیغام رساں ہوتی ہے، اس لئے وہ تمام احوال میں غنی باللہ ہیں۔ اللہ نے اپنی مخلوق کی خاطر ہی انہیں سکر و مستی یعنی ماسوا اللہ سے مدہوشی کے بعد صحو و ہوشیاری عطا فرمایا ہے اور فناء فی اللہ کے بعد بقاء باللہ عطا فرمائی ہے۔ اور ان کے لئے احوال میں اللہ کی مراد سے پردہ ہٹا دیا گیا ہے سو کبھی وہ ان کی حاجت اس حال میں پوری کرتا ہے کہ اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اسی سے اسی اللہ کو مانگیں اسے بارگاہِ الٰہی کے دولتمند ان سے اللہ کی مراد پوری کرنے کیے اللہ سے اسی کو مانگتے ہیں اور کبھی اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے مانگیں لیکن گڑگڑا کر نہیں بلکہ ضرورت پوری کرنے کیے۔ چنانچہ وہ اغنیاً اپنی ہمت لوگوں کی طرف پھیر لیتے ہیں سو یہاں مخلوق ان کی طرف آتی ہیں پس

9۔ فی المعجم المفهرس ۲۳۵:۱ تحت :بیت،و صحیح البخاری البغا،صوم، رقم ۱۸٦۰ـ ۱۸٦٦و صحیح مسلم، عبد الباقی،صیام رقم ۱۱۰۳

وہ ان حاملیں فقر کو ان کی ضرورت و احتیاج کی شکل و صورت سے پہچانتے ہیں پھر ان کی حاجتیں پوری کرتے ہیں نیتجہ ان فقراء کی حاجتیں پوری کرنے والوں کو ان کے اس عمل پر ان فقرائی کی وجہ سے سعادات، حالات اور معاملات عطا کی جاتی ہیں۔

پس دنیا کے دولتمند اور تونگر لوگ فقرائے حاملین فقر حقیقی کی دعا کے حاجت مند ہیں اور دنیا کے فقراٗ حقیقت میں اپنے احوال کی بناء پر دولتمند اور تونگر ہیں کیونکہ انہی حاملینِ فقر حقیقی کے وجود مسعود کی برکت سے دنیا قائم ہے اور انہی کی میمنت سے مخلوق کی صلاح و فلاح ہے انہی کے وسیلے سے نفع ملتا ہے اور نقصان ٹل جاتا ہے۔اس لئے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی شان اور وسیلہ ہیں کیونکہ مخلوق کے غیاث یعنی فریادرس ہیں جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ لِاَنَّهُمْ جُلَسَآءُ اللهِ[10]

یہ وہ ہیں جن کی برکت سے ان کے ہمنشین محروم نہیں رہتے کیونکہ وہ اللہ کے ہمنشین ہیں۔

اور جو اللہ کے جلیس و ہمنشین کی مجالست اختیار کرے وہ معرفتِ الٰہی کی خوشبو سونگھتا ہے پھر اللہ تک رسائی پا جاتا ہے اور کہا گیا ہے:

لِلْجَنَّةِ قَوْمٌ وَّلِلنَّارِ قَوْمٌ وَّلِلْمَجَالِسَةِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ[11]

کچھ لوگ جنت، کے لئے کچھ جہنم کے لئے اور کچھ مجالست کے لئے ہوتے ہیں۔

اہل مجالست کے لئے دارِ منقلب والمناب (یعنی قیامت کے دن) میں بلکہ جلد ہی موت آنے سے پہلے ہی بدنی اور جسمانی عبادات اور معاملات میں رب الارباب یعنی اللہ کی طرف سے قرب اختیار کرنے کے فوائد ثواب کے علاوہ زیادات اور قلبی قربات ہیں۔جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوِلَةً[12]

10۔ انظر المعجم المفهرس ٣: ١٦٣، تحت: شقی۔

11۔ انظر ایضاً هنا فصل ٩، ص ٥٢۔ ١٤ وقارن بصوم قلب، فصل ١٦ ص ٤٤۔ ١٨، حیث جاء

12۔ انظر المعجم المفهرس ٥: ٣٥٤، تحتَ قرب۔

جو میری جانب ایک بالشت بڑھے میں ایک ہاتھ بڑھتاہوں جو ایک ہاتھ بڑھے میں اس کی جانب ایک گز بڑھتاہوں جو میری جانب چل کر آئے میں اس کی جانب دوڑ کر جاتا ہوں

یعنی جو صدق دل سے میرا قصد کرے تو میں ان کی صدق سے بڑھ کر اپنی کرامت و بزرگی سے اس کو قریب کر دیتاہوں یہاں تک کہ وہ اپنی صدق اور قصد میں مبالغہ کرے تو میں اس کی کرامت اور بزرگی میں اضافہ کرتا ہوں یہاں تک کہ میں اس کی صدق کی بنا پر اس کی طلب اور کام کی ابتداء میں ہی مکاشفہ کی طرف کشاں کشاں کھینچ لے جاتا ہوں اور یہ اس لئے کہ بابِ سلوک موت سے پہلے واقع ہوتا ہے۔اسی وجہ سے سید المرسلین اور رسولِ رب العالمین حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرماہے:

اَلْجُمُعَةُ حَجُّ الْمَسَاكِيْنِ جمعہ مساکین کا حج ہے۔

ہم یہاں کعبہ کی زیارت کی استطاعت نہ رکھنے والے مساکین کی مسکنت کے اسرار دوبارہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کی جمعہ کی طرف کی جانے والی قصد کو کعبہ کی طرف قصد کرنے والے حجاج کرام کی قصد کی مانند قرار دیاہے۔اور یہ ان کے قلوب کا کعبۂ حقیقی اللہ کے قرب کی بناء پر، اللہ ہی کی خاطر ان کے جمع ہونے کی وجہ سے اور ان کا اللہ کے مشاہدہ کی وجہ سے جمعہ ان کا حج بن گیاہے۔



غیر مطبوعہ رسائل

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ

رسالہ حقیقت انسان

ترجمہ: غلام حسن حسنو

(نوائے صوفیہ کے ہر شمارے میں شاہ ہمدان یا سلسلۃ الذہب کے کسی شیخ کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ پیش کیا جارہا ہے۔ پچھلے شمارے میں حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے رسالہ "رسالہ توبہ شرائط" نذر قارئین کی تھی۔ شمارہ ہذا میں اس تسلسل کے تحت رسالہ حقیقت انسان ہے۔)

رسالہ حقیقتِ انسان کا تعارف

یہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدان کا ایک رسالہ ہے غالباً شاہ ہمدان نے اپنے اس رسالے کو کوئی نام نہیں دیا لیکن نساخانِ رسالہ نے اس کے نفسِ مضمون کو مد نظر رکھ کر اس کا نام متعین کیا یوں یہ "رسالہ حقیقت انسان" یا "رسالہ در حقیقت انسان" کے نام سے موسوم ہوا۔

رسالے کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ انسان کی حقیقت، مقصد تخلیق اور اس کے اعمال ووظائف سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرماتے وقت اسے جن جن صلاحیتوں، اہلیتوں اور استعدادوں سے نوازا تھا شاہ ہمدان لوگوں کی توجہ ان کی جانب مبذول کرواتا ہے اور انہیں باور کراتا ہے کہ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور چلنا، پھرنا تو حیوانات اور نباتات بھی ایسا ہی کرتے ہیں ان میں اور انسان میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ان معاملات میں بعض حیوانات کو حضرت انسان پر فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ انسان کی ان تمام پر فضیلت وبرتری کی وجہ عبادت ومعرفت الٰہی ہے جو انسان کے تخلیق کی غرض وغایت بھی ہے اور اس کے لئے معراج کمال بھی۔

انسان میر سید علی ہمدانیؒ کا پسندیدہ موضوع ہے آپ کی شہرۂ آفاق کتاب ذخیرۃ الملوک میں انسان کی حقیقت اور شکل وشمائل کے بارے میں مکمل تفصیلات موجود ہیں بادشاہوں، حکام اور مشائخ طریقت کو شکل وشمائل انسانی دیکھ کر کسی کو ذمہ داری تفویض کرنے کی سفارش کی گئی ہے علاوہ ازیں "انسان کامل" کے نام سے ایک رسالہ بھی موجود ہے جس میں انسانِ کامل کی پہچان، وظیفہ، ذمہ داری اور اس کے کائنات پر تصرف سے متعلق سیر حاصل بحث ہے۔ زیر نظر رسالہ مختصر مگر ایک مفید رسالہ ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا پہلی بار اس کا اردو ترجمہ کرنے اور اسے شائع کرنے کی ہمیں سعادت مل رہی ہے فلہ الحمد اولاو آخرا۔

اس کے درج ذیل قلمی نسخوں کا ہمیں علم ہے۔

ا۔ کتابخانۂ ملک تہران میں محفوظ ہے یہ رسالہ اس مجموعے میں شامل ہے اسے ابوذر بن عبد اللہ سبزواری نے مشہد میں ۱۰۹۷ھ میں کتابت کیا ہے۔ نسخے پر رسالے کا نام "فی حقیقۃ الانسان" درج ہے اور یہ نام کاتب نے خود درج کیا ہے۔

ترجمہ متن رسالہ حقیقتِ انسان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کی حقیقت واہمیت

حقیقت انسان، اس کے وجود کا مقصد اور اس مقصد تک رسائی میں حائل رکاوٹوں کا بیان۔

عہد قدیم کے مجلس کریم پر ناقص محبت کے علی الرغم قلب صمیم سے سلام ہو اگرچہ ناقص محبت بھی محنت سے کلی طور پر خالی ہونے سے بہتر ہے جیسا کہ کہا ہے۔

تَشْتَكِي الْمَجْنُوْنَ الصَّبَابَةُ لَيْتَنِيْ
تَحَمَّلْتَ مَا يُلْقُوْنَ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحْدِيْ
فَكَانَتْ لِنَفْسِيْ لَذَّةُ الْحُبِّ كُلُّهَا
فَلَمْ يُلْقِهَا قَبْلِيْ مُحِبٌّ وَّلَا بَعْدِيْ

☆یعنی عاشق صادق الٰہی شکایت کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے وہ کرم برداشت کرنے کا موقع ملتا جو وہ دوسروں کے درمیان صرف مجھ اکیلے سے مل کر کرتا ہے تب تو اس کی محبت کا مجھے کلی مزا آتا کیونکہ ایسا کسی محب نے پہلے کبھی کیا ہے نہ آئندہ کرے گا۔

اے اللہ! ہم کو اسم کے ساتھ ساتھ معنویت کا بھی مسمّٰی بنادے ظاہر کی مانند حقیقت اور عجائبات تکوین سے ہمیں پاک و منزہ فرما تا کہ ہم حقیقت قدسیۂ محمدی سے مل جائیں یہ کسی تعریف کرنے والے کے لفظی تمحید سے نہ ہو بلکہ قلب اور دل کی گہرائیوں سے ہو۔

اسم (نام) کی حقیقت

اسمائ (اسم کی جمع = نام) سمائ (بلندی / اونچائی) سے ہے لہذا اس کے اسرار سے غافل نہیں رہا جا سکتا

کیونکہ یہ ایک شخص کا تذکرہ ہے جسے مقام قدس سے عالم انس میں اور منزل بقاء وآگہی سے موطنِ (منزلِ) بے خودی وتباہی میں بھیج دیا تھا اس لئے اسی کی حقیقت سے ایک نام اشتقاق کرکے رکھ دیا ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی حقیقت سے غافل ہوجائے گا اپنے ساتھیوں اور نئے ملنے والے مسافروں کے ساتھ جو اس کی ذات سے باہر ہیں، بغلگیر ہوکر گردن الحادسے باہر نکل جائے گا اور لباس التباس پہن لے گا تاکہ وہ اس نام سے کبھی کبھی آگاہ ہوجائے اور غور و فکر اور تامل کرے کہ اس کے لئے یہ نام کیونکر دیا گیا ہے؟ اور اس میں اس نام کی حقیقت کا کونسا معنی ہے؟ تاکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہاتھ آئے؟

نام کے ذریعے حقیقت تک رسائی

جیسا کہ حکایت میں بیان ہوا ہے کہ کہ ایک جماعت نے ایک شخص کو قتل کردیا مقتول نے وصیت کی تھی کہ میری بیوی حاملہ ہے اگر اس کو بیٹا ہوا تو اس کا نام "مات الدین" رکھ دیں۔ چنانچہ اس کی بیوی نے ایک لڑکے کو جنم دیا جس کا نام "مات الدین" رکھ دیا۔ ایک دن ایک دانا شخص وہاں سے گزر رہا تھا اس نے سنا کہ ایک بچہ دوسرے بچے کو "مات الدین" کہہ کر پکار رہا ہے اس نے لوگوں سے پوچھا کہ اس کا نام کس نے رکھا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کے باپ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اگر اس کی حاملہ بیوی لڑکا جنم دے تو ایسا نام رکھیں چنانچہ ہم نے ایسا ہی نام رکھا۔ اس دانا شخص نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو کہ اس کا باپ مر گیا ہے۔ نہیں اس کو تم لوگوں نے ناحق قتل کردیا ہے پس انہوں نے تحقیق کی اور وہ حقیقت حال تک پہنچ گیا اور قاتلوں سے قصاص لیا گیا۔

وہ دانا شخص باذوق تھا چنانچہ فقط نام سن کر اس خیال میں پڑا اور تحقیق و تفحص کے بعد قاتلین سے قصاص لے لیا۔ اگرچہ یہ نام کتنے ہی دانا لوگوں نے سنا ہوگا لیکن ان کا خیال اس طرف نہیں گیا۔

اسی طرح لوگوں کے کتنے نام ہوں گے جنہیں ان کے آباء واجداد اور روحانیوں نے رکھا اور کسی زمانے میں جب طاقتور جسم والے سرکشوں نے ان کی اولاد کو پکڑ دھکڑ اور مشکلات میں مبتلا کیا یہاں تک کہ ان کو ان ناموں نے ہوشیار کیا انہوں نے اسے سنا اور پھر ان طاغوتی قوتوں سے گلو خلاصی حاصل کی اور اپنی اصل دنیا میں واپس پہنچ گئے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ:

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الذاریات:۵۰)

اللہ کی جانب دوڑ پڑو بیشک میں تمہارا کھلا ڈرانے والا ہوں۔

محمد (زیادہ لائق تعریف) کون؟

محمد اور ستودہ (یہ عربی و فارسی الفاظ بمعنی لائق تعریف و قابل تحمید مبالغے کے ساتھ) اس شخص کے لئے کہہ سکتے ہیں جسے جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا وہ اس مقصد کو پہنچ چکا ہو اور جن کمال استعداد کو اس میں ودیعت رکھی ہو وہ اس کو مل چکا ہو۔ اگر اس درجہ سے گر جائے تو پھر وہ (قابل تعریف نہیں رہتا بلکہ) لائقِ ذم ہے۔ پھر اس کا معنی ''قابل تعریف'' درست نہیں آتا۔

مقصد تخلیق کائنات

اب غور و فکر کرنا ہوگا کہ آدمی کو کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ یہ اس وقت تک واضح نہیں ہوگا جب تک آدمی کی آدمیت واضح نہ ہو جائے کہ:

یہ کیا ہے؟ اور اس کا کیا معنٰی ہے؟

آدمی کو آدمی کہنے اور اس کو دوسرے موجودات و اجسام سے فزوں و برتر رکھنے کی وجہ کیا ہے؟

ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں آدمی عالم تکوین کے ایک نقطہ کے سوا کچھ نہیں ملتا جو پیدا ہوا اور تمام و کمال موجود ہے وہ ایک سمندر ہے لیکن وہ اپنے آپ سے بے خبر و نا آشنا۔ دست قدرت نے اسے ہلا کر بیدار کیا چنانچہ اس نے اپنے سراپا کو دیکھ لیا اور ہوش و حواس میں آگیا آدمی اس عالم سے آگاہ ہوا اور اس خوابِ خام سے بیدارِ تمام کو منتقل ہو کر بلند درجات و مراتب پر فائز ہو جائے گا۔

اس جنبش کی ابتدا اور آگاہی کی بناء پر تمام حیوانات حسد میں پڑا اور آدمی کی تخلیق کس کے لئے ہو سکتا ہے؟ سونے والے کو جو بیدار کیا گیا ہے کس لئے ہیں؟ تاکہ دیکھ لے کہ اس دیکھنے اور آگاہی کا دعوی آدمی کے لئے اس نام کی وجہ سے ہے تاکہ دیکھ لے کہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی آمد و رفت کیسی ہے؟ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ اس کارخانے (دنیا) کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا قیام کس کے ساتھ ہے؟ تاکہ وہ اپنی حقیقت کے مطابق خود کو پہچان لے اور محبت و مودت الٰہی، اس کے جلال و جمال کی محبت و عبودیت الٰہی کے تحت دیکھے۔

حدیث نبوی:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

میں ایک مخفی خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ جانا جاؤں اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا

اور آیت کریمہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات:۵۶)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت یعنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔

پس وہ مجھے جان کر میری عبادت کرتے ہیں۔

جب تک رشتۂ ربوبیت عبودیت سے مل نہیں جاتا اور:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (المائدہ:۵۴) اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے۔

کے تانے بانے والے کپڑے کو عشق بزرگ کے اوپر سی نہیں لیا جاتا۔

این من وماھا ازان بر ساختی

تا تو باخود مردِ ہمت باختی

یعنی جب تک تو بساط ہمت پر مات کھا کر ہار نہ جائے گا یہ من وما اور تو میں باقی و جاری رہے گا فنا کبھی حاصل نہیں ہو گا۔

مقصد تخلیق سے غافل انسان

آدمی کے لئے ایک عجیب اور سخت کام درپیش ہے اور ساتھ ہی اس کے لئے نصیبِ بزرگ بھی طے ہے اور اس کو ربوبیت کا حریف بنا دیا گیا ہے۔

خَلَقْتُ الْاَكْوَارَ لِاَجْلِ الْاِنْسَانِ وَخَلَقْتُ الْاِنْسَانَ لِاَجْلِيْ

میں نے کائنات کی ہر شے انسان کے لئے اور انسان کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

اور

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات:۵۶)

میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت یعنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس کے باوجود یہ بے چارہ اپنے حال سے غافل ہو کر دنیا اور اس کے معاملات کی جانب متوجہ ہے۔

خویش رانشناخت مسکین آدمی

از فزونی آمد و شد در کمی

☆یعنی آدمی نے خود کو نہیں پہچانا اور وہ کم و بیش اور آمد و رفت جیسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں کھو کر رہ گیا۔

ہر شے انسان کا خادم

وہ تمام چیزیں جن کی جانب آدمی نے توجہ دی ہیں، وہ سب ایسے امور ہیں۔ حکمت کی نظر سے دیکھنے والا جانتا ہے کہ ان کی تخلیق میں انسان کی بنیادی اصلاح اور تنبیہہ مضمر ہے ان تمام کے وجود کی غرض و غایت وہی انسان ہی ہے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی کی تخلیق مجرد ان امور کے حصول کے لئے ہو مثلاً شہوتِ طعام اس لئے ہے کہ وہ غذا کے ذریعے آسانی سے نعم البدل توانائی پیدا کرے تا کہ آدمی مر نہ جائے یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی کو صرف کھانا کھانے کے لئے پیدا کرے کیونکہ کھانے کا فائدہ یہی ہے کہ وہ زندہ اور باقی رہے۔ پس چاہیے کہ آدمی کے وجود کو کسی اور غرض کے لئے پیدا کیا ہو جس سے اس کے لئے بقا مطلوب ہو اسے کھانا کھلائے تا کہ وہ زندہ رہے اور اس کے ذریعے اس کا مقصد حاصل ہو۔

قوائے نفسانی خادمِ انسان

اب ہم انسانی امور اور انسانی قوتوں پر غور و خوض کرتے ہیں اگرچہ انسانی قوتیں بہت زیادہ ہیں لیکن یہ کل چار اصل میں راجح ہوتے ہیں (وہ یہ ہیں کہ)

اول قوت شہوت

یہ تمام شہوتوں (خواہشات) میں سب سے بڑی ہے اور اصل شہوت کی منزل پیٹ اور فرج ہے۔ ظاہر ہے کہ شخصی اور نوعی لحاظ سے غرض و غایت اور حکمت کی رو سے ان دونوں کی غرض و غایت حفظان صحت اور بقائے (نسل) انسانی ہے۔ پس قوتِ شہوت وجودِ انسانی کا خدمت گار ہے۔ یہ نہیں کہ انسان اس کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔

دوم قوت غضب اور اس کے فروع

یہ واضح ہے کہ اس قوت کی منفعت آدمی کے لئے ان منفی قوتوں کا رفع و دفع کرنا ہے جو وجود انسانی کے لئے مفسد اور نقصان دہ ہیں اس طرح یہ قوت غضب بھی انسان کا خادم ہے وہ بھی تخلیق انسانی کی غرض و غایت بننے کے لائق نہیں ہے۔

سوم قوت عقل عملی

اسے عقل معاش بھی کہتے ہیں یہ قوتوں کا حسن استعمال اور جودتِ تدبیر ہے اور یہ گھروں اور محلوں کے باشندوں اور دوسروں میں حسن معاملہ اور میانہ روی کے ذریعے قوت شہوت اور قوت غضب کو افراط و تفریط سے باز رکھتے ہیں۔ یہ قوت اس لئے ہے کہ اس کی حکمت وسیاست قوی و طاقتور ہو اور یہ قوت صرف حفظ بنیاد کے لئے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ بھی خادم ہے اور تخلیق انسان کی غرض و غایت کے لائق نہیں۔

چہارم عقل نظری

یہ حقائق اشیاء کا علم اور جان لینا ہے اور ورود و صدورِ ہستی کے کیفیت کی ابتدا٫وجود اور حسنِ اقبال اسی سے ہے چنانچہ یہ قوت مخدوم مطلق ہے کسی جن یا موذی سے انسان اور اس کے بنیاد کی حفاظت کرنے میں اس سے کوئی فائدہ نہیں مل سکتا بلکہ یہ قوت جب حاوی ہو کر غالب آئے تو اس سے آدمی کو نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ احوال عارفین سے معلوم ہے کہ وہ رعایتِ جسم میں سستی کرتے ہیں اور خود کو ریاضات شاقہ میں مصروف رکھتے ہیں اور آفات وبلیلات، آزمائش و ابتلاء میں خوش رہتے ہیں، جرح و زخم پہنچانے اور قتل وغارت کرنے کے میدان میں جسم وبدن پالنے والوں کے بر خلاف رہتے ہیں انہیں جسم کی جانب کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کا نشانہ نہ بنا جو وہ نشانہ بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ان کی مقدار کے مطابق رعایت برتتے ہیں! (آمین)

رجوع الی اللہ مقصد تخلیق انسان

پس جسم اور جسمانی قوتیں تمام کے تمام انسان کی خادم ہیں اور وہ مخدوم مطلق۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ شاید وہی غرض وغایت ہو، ایسا نہیں ہے۔ یہ اور اس کا غیر سب کے

سب اس کے لئے وسیلہ ہیں اور یہ خود حضرت حق تعالیٰ کی جانب اچھی طرح رخ کرنے، متوجہ ہونے، کلی طور پر اس کی طرف رجوع کرنے اور دائرۂ ہستی کے مرکزی نقطہ سے متصل ہونے سے عبارت ہے کیونکہ سفر کی غرض وغایت مقصد اعلیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس سلسلے میں رنج و محنت اٹھانے کے سوا کچھ نہیں جو سفر کا نتیجہ ہے:

وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (نجم:۴۲) تیری انتہا و مقصد اپنے رب کے پاس پہنچ جانا ہے۔

قوت نظری کا ادراک اور شناخت

ہم قوت نظری کے ادراک اور معقولات کو تین مرحلوں میں واضح کرتے ہیں چنانچہ:

۱۔ جس شخص نے کبھی آگ کو نہیں دیکھا اس طرح وہ آگ کی اندرونی حالت اور اس سے نکلنے والے دھویں کو نہ جانتا ہو ہم اس سے اتنا کہیں کہ:

"آگ ایسی چیز ہے اسی سے یہ دھویں جو تم دیکھ رہے ہو، نکلتی ہے"۔

اس شخص کو آگ کی محض اتنی شناخت حاصل ہے اس کو آگ کی حقیقت کا کوئی علم نہیں بلکہ وہ صرف اس قدر جانتا ہے کہ آگ ایسی چیز ہے جس سے دھویں نکلتی ہے۔

لیکن آگ اور دھواں کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت کو وہ نہیں جانتا۔ ایسے آدمی کو آگ کی شناخت میں مرتبۂ حقیقی حاصل نہیں۔

۲۔ دوسرے کا مرتبہ اس سے اعلیٰ ہے جو آگ میں جاتا ہے اور آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔

یہاں کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس نے آگ کی حقیقت کو شناخت کر لیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ جب تک آدمی پر کوئی واقعہ پوری حقیقت کے ساتھ نہیں گزرتا وہ اس کی حقیقت کو ہر گز نہیں جان سکتا مثلاً جو آدمی بھوکا ہو وہ بھوک کی حقیقت کو پالیتا ہے لیکن جو کبھی بھوک سے دوچار نہ ہوا ہو اس کے لئے بھوک کی حالت اور اس کی حقیقت کو سمجھ لینا محال ہے۔ اگر کوئی آدمی بھوک سے دوچار ہو جائے تو وہ اپنی بھوک اور سیر کی حالت کے درمیان مقابلے سے اس کی حقیقتِ حال جان لے گا لیکن یہ بھی شناخت کی ایک مثال ہے حقیقت کوئی نہیں وہ کہہ دے کہ اس کی حالت ایسی ہے جیسی میری حالت ہے۔ اس مثال کی شبیہ یوں ہے کہ آگ کے شعلے کا نقش کاغذ پر بنایا جائے اور کسی کو اس کی شناخت و علامت دکھائے اور اس کو کہہ دے کہ آگ اس ہیئت کی

ہوتی ہے آگ کی شناخت میں یہ طریقہ اس طریق کے مقابلے میں بہتر ہے جس میں کسی کو کہا جائے کہ یہ دھواں ہے جو آگ سے نکلتی ہے کیونکہ اس مثال میں آگ کی شبیہ یا صورت اس کو دکھایا جاتا ہے پس یہاں شناخت کی مثال شناخت کے اثر کی بہ نسبت کامل ہے لیکن شناخت حقیقت نہیں ہے۔

جو آدمی آگ کے اندر یا نزدیک جاتا ہے اور آگ کو قریب سے دیکھ لیتا ہے اگرچہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کا حکم اس شخص کے حکم جیسا نہیں جو آگ کی صورت کو کاغذ پر دیکھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس نے عینِ آتش کو دیکھ لیا ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اس نے آگ کی شکل وصورت کے سوا کچھ نہیں دیکھا جیسا کہ عقلاً کہتے ہیں کہ:

علم حصول صورت شیء است برای این کہ تا شیء مر عالم را حاصل نیست عالم آن را نمی داند

یعنی علم اس عالم کے لئے حصول صورت شیء ہے جس کا اس کو علم نہ ہو اور اس کو وہ نہ جانتا ہو۔

کیونکہ علم کسی چیز تک پہنچنا ہے جو آدمی آگ کی اصل تک نہ پہنچا ہو وہاں پہنچنا ہو گا اس بیان کو مکمل کرنے کے لئے وسیع مثال کی ضرورت ہے۔

فطرت سلیمہ اور استدلال سے شناخت

اگرچہ فطرت سلیمہ کو استدلال اور براہین کی زیادتی میں مشغول رکھنا نقصان دہ ہے اور اس میں تاریکی آتی ہے جیسا کہ کوئی آدمی طبعی طور پر موزون اور ناموزون کو اپنی فراست سے الگ الگ کر سکتا ہے کسی شعر میں قوانینِ عروض کے استعمال کے ذریعے ہم موزونیت کا اثبات کریں تو ہمارا یہ اثبات اس امر کو ملتبس کرے گا اور اسے حیرت میں ڈال دے گا اسی طرح فطرت سلیمہ کو محض عرض کرنا اور تھوڑی سی تنبیہہ کرنا ہی کافی ہوتا ہے۔ یہی مقام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سلوک میں طریق استدلال اور ان میں تعمق سے کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے محض آپ کا کلام سن کر اور صرف تنبیہہ کرنے پر آپ پر ایمان لایا کسی عارف حق نے سچ کہا ہے۔

ہر چہ رو داد از پیمبر معجز است

☆یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ صادر ہوا وہ معجزہ ہے۔

اسی کو آپ کے دشمن اور مخالف لوگ ظن وگمان خیال کرتے تھے۔ ایک جماعت نے اسے گمان کیا کہ:

ھٰذَآ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ (نور:۱۲) یہ تو کھلا بہتان ہے۔

شناخت اشیأ کے تین یقینی طریقے

اب ہم پھر بر سرِ مطلب آتے ہیں کسی چیز کی شناخت کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ اثر کے ذریعے۔

دوسرا طریقہ مثال کے ذریعے۔

اور تیسرا طریقہ حقیقت کے ذریعے۔

یہ عالم کے نزدیک معلوم کے سوا کچھ نہیں جیسا کہ اوپر گزر گیا۔ پس:

قسم اول کو علم الیقین۔

قسم دوم کو عین الیقین۔

اور قسم سوم کو حق الیقین کہتے ہیں۔

وجودِ انسانی کی غرض وغایت ان تینوں سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ حقیقت کی شناخت اور پہچان ہے اور کسی نام کی شناخت دوسری اقسام کی شناخت میں سے ایک قسم مجازی ہے۔

حق الیقین ممکن

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں ابھی یہ بات آگئی ہو کہ اس کی ایک غرض وغایت ہے جس تک وصول ممکن نہیں ہے کیونکہ دنیا میں انسانوں کا اجتماع ایسی بات پر ہے جو کبھی بھی صورت پذیر نہیں ہو گی پس اس کو اس درجہ تک جسے حق الیقین کہتے ہیں، رسائی کیسے مل سکتی ہے؟ یہ سوال ایک ایسے دروازے کو وا کرتا ہے جو ابوابِ معرفت کا سب سے بڑا اور بزرگ دروازہ ہے جسے ہر عقل منفعل نہیں سمجھ سکتا۔ ہم اس محل میں صرف ایک اشارہ کرتے ہیں اور اس کی وضاحت اور تقریب میں ممکن حد تک کوشش کرتے ہیں انشاء اللہ جسے آپ سمجھ سکیں گے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ ایک ایسا امر ہے جسے ہونا چاہیے، لیکن محال ہے کہ یہ کسی اور کے ساتھ مل کر عقل میں سما سکیں اگر علم ودانش ایک حالت ہے جو لاحق اور مکتسب ہوتا ہے یہ تو ہر آدمی کے جوہر میں ایسا ہی موجود

ہے لیکن وہ اس سے دور ہو گیا ہے اس کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے سامنے موجود عوائق و موانع کو دور کرے تاکہ وہ اپنے آپ تک پہنچ سکے جب وہ اپنے آپ تک پہنچ جائے گا تو وہ ہر چیز کو اپنے آپ میں موجود پائے گا تعقل فعلی کا معقول جو مبدأ وجود سے باہر ہے، نہ کہ تعقل انفعالی جو وُجودِ بیرونی سے ماخوذ ہے چنانچہ عارف رومی فرماتے ہیں کہ

باغ ھا و سبزہ ھا اندر دل است
عکس لطفِ آن بر این آب و گل است

☆یعنی باغ اور سبزہ سب دل کے اندر موجود ہیں جن کا عکس وپر تو آب و گل اور مادی صورت میں موجود ہیں۔

اسی طرح وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

ظاھر این اختران قوامِ ما
باطنِ ما گشتہ قوامِ سما

☆یعنی اگرچہ بظاہر یہ ستارے ہمیں قائم رکھنے والے ہیں لیکن باطن میں ہم ہی ستاروں سمیت آسمانوں کو قائم رکھنے والے ہیں۔

آدمی حالت فکر میں جو اپنی جانب رجوع کرتا ہے، کسی چیز کو جان لیتا ہے اس کی ذات میں اس چیز کی مناسبت سے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا اس میں جو جہت موجود ہے وہ معلوم ہے جس کی مدد سے وہ اس کو جان لیتا ہے اور وہ اپنی ذات کی حقیقت کے ذریعے اس کی جہت کو معلوم کر لیتا ہے۔ اور وہ جان لیتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے باہر نہیں جانتا لیکن اس جہت کی شناخت اس معلوم کی شناخت بن جاتی ہے کیونکہ وہ معلوم اس جہت سے صادر ہوا ہے کسی چیز کا مصدر اس شے کی نسبت سے اصل کی مانند ہوتا ہے مثلاً کسی آدمی کے ظاہری چہرے کو اگر آئینے کے اندر موجود عکس سے نسبت دے دیں تو ظاہری چہرہ اس چہرے سے زیادہ واضح ہے جو آئینہ میں ہے اور یہ ایک سایہ کی مانند ہے جس کے اصل کی جانب اشارہ ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔

اس کو خوب سمجھ لیں کہ یہ ایک دقیق مسئلہ ہے اس کی حقیقت کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے جو کچھ اس رسالے میں لکھا گیا ہے اسی بات پر اس کی بنیاد رکھتے ہیں۔

تنبیہہ:

لطیفہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی نے اسے پالیا ہے تو اس کے لئے آئندہ کی گفتگو دشوار نہیں اور اگر اس نے اسے نہیں جانا پھر تو اس کو پالینا دشوار اور محال ہے، میں حیران ہوں کہ اس کو کون سمجھ پائے گا؟

انسان میں ہر شے موجود مگر وہ ہے بے خبر

ہم پھر بر سرِ مطلب آتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر چیز انسان کی ذات میں موجود ہیں لیکن وہ خود ان اشیاء کو باہر سے جان لیتا ہے وہ کبھی سوجاتا ہے اس وقت وہ اپنے آپ سے باہر نکل آتا ہے پھر وہ ہوش میں آتا ہے۔ کبھی اس پر غیبی باتیں منکشف ہوتی ہیں اس طرح غور وفکر کرنے والا آدمی کیوں بیرون کی جانب متوجہ ہوتا ہے؟ حالانکہ اگر وہ سر گریبان میں ڈال کر مراقبہ کرے تو اس حالت میں حقیقت اشیاء اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اشیا اس کے اندر موجود ہیں چنانچہ قائل نے کہا ہے۔

ای آئینۂ جمال شاہی کہ توئی
وی نسخۂ نامۂ الٰہی کہ توئی
بیرون تو نیست ھر چہ در عالم ہست
از خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

☆یعنی اے انسان! تم ہی جمال شاہ دیکھنے کا آئینہ ہو! اور تم ہی نامۂ الٰہی کا نسخہ ہو جہاں میں جو کچھ ہے وہ سب تیرے اندر موجود ہیں لہذا تم جو بھی چاہتے ہو اسے اپنے آپ میں طلب کر تمہیں وہیں سب کچھ مل جائے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ وجود نفسانی وجودِ خارجی کی اصل اس لئے ہے کہ وجودِ نفسانی وسیع وکشادہ ہے وجودِ بیرونی ادلۂ سرّ کی بناء پر متکثر اور بسیط ہے وجودِ عقلی ثابت ہے اور وجودِ خارجی زائل ہے۔ حق ثابت رہنے والا اور باطل متغیر وسایہ کی مانند ہوتا ہے۔ چیز ناچیز نہیں بن سکتی لیکن ناچیز چیز بن سکتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ عقل بھی خطا ونسیان کی بناء پر زائل ہوتے ہیں کیونکہ کسی بھی آدمی کا سرّ اور حقیقت زائل نہیں ہوتا ورنہ وہ کبھی بھی پھر نہ پایا جاتا۔ نیز پرانے عالم کے احوال میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس میں زیادہ فکر واندیشہ ہوتا ہے، حکم کلی جزوی ہے۔ عارف رومی نے اس سلسلے میں فرمایا ہے۔

از یک اندیشہ کہ آید دردرون صد جہان گر دد بیکدم سر نگون
چشم سلطان گر تصور یک بود صد ہزاران لشکر شاہ پی رود
باز شکل وصورت شاہِ صفی ہست محکومِ یکی فکرِ خفی
خلق بی پایان ویک اندیشہ بین گشتہ چون سیلی روانہ برزمین
پس چو می بینی کہ ازاندیشۂ قائم است اندر جہان ہر پیشۂ
خانہاو قصرھاو شہرھا کوہ ھاو دشتہاو نھرہا
ہم زمین وبحر ہم مہر وملک زندہ ازوی ھمچو کز دریاسمک
پس چرااز ابلہی پیش تو کور تن سلیمان است واندیشہ چو مور
عالم اندر چشم تو ہولِ عظیم زابر وچرخ ورعد دل لرزدز بیم
وز جہانِ فکرتی ای کم خر دامن وغافل چو سنگ بی خبر
زانکہ نقش واز خرد بی بہرہ ای آدمی چون نیستی خر کرہ ای
سایہ راتو شخص می بینی زجہل شخص ازان شد پیش توبازی وسہل
باش تاروزی کہ آن فکر وخیال بر کشاید بی حجاب پر وبال
کوہ ہابینی شدہ چون پشم نرم نیست گشتہ این زمین سرد وگرم
نہ سمابینی نہ اختر نہ وجود
جز خدای واحد فرد وُدود

☆یعنی باہر سے ایک خیال واندیشہ آتا ہے تو لاکھوں جہاں اس کے سامنے سر نگون ہو جاتے ہیں بادشاہ کی آنکھ ایک تصور پر مبذول ہو کر جم جاتی ہے تو وہ اپنے پیچھے لاکھوں کا لشکر چلا سکتا ہے پھر بھی وہ شکل وصورت کا باشاہ خود ایک مخفی فکر کا محکوم وغلام ہوتا ہے دیکھیے مخلوق بے حد وشمار ہیں لیکن فکر صرف اور صرف ایک ہے جس کے پیچھے سب سیل رواں کی مانند رواں دواں ہیں یہ فکر لوگوں کے ہاں معمول ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ اس کائنات میں فکر ایک ہے اسی پر ہر پیشہ اور معاملہ قائم ہے یہ مکانات ومحلات، پہاڑ ومیدان،

خشکی ودریا، اورزمین وآسمان سب اسی سے زندہ ہیں جس طرح پانی سے مچھلیاں زندہ ہیں۔

پھر تم کیوں اندھے ہوگئے ہو تمہارا جسم سلیمان کی مانند اور فکر چونٹی کی مانند کیوں ہے؟ تمہاری نظر میں یہ جہاں عظیم اور ہولناک کیوں ہے؟ بادوباراں، اور گھن گرج سے تم کیوں کانپ اٹھتا ہے؟

اے کم عقل! تم جہاں کے فکر میں غلطاں ہو۔ بے جان پتھر کی مانند اپنے رب سے بے خبر کیوں ہو۔

چونکہ تم عقل وخرد سے بے گانہ ہو گویا تم انسان نہیں بلکہ کوئی گدھا ہے اپنی جہالت کی بناء پر تم سایے کو ہی آدمی سمجھ بیٹھے ہو اس لئے تمہاری نظر میں شخصیت معمولی چیز ہے! اب تم اس دن کا انتظار کرو جب فکر وخیال اپنا پر وبال کھول کر بے حجاب سامنے آئے گا اس وقت تم دیکھ لوگے کہ سخت پہاڑ ریشم اور اون کی مانند نرم پڑ گئے ہیں اور یہ گرم وسرد مزاج والی زمین نیست ونابود ہوگئی ہے اس وقت تمہیں آسمان، زمین، ستارے اور وجود کوئی نظر نہیں آئے گا اور تم صرف اور صرف خدائے وُدود کو پائے گا۔

<u>فیضان الٰہی بذریعۂ نور محمدی</u>

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاہے کہ:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا

اس نور سے دوسری چیزیں پیدا کی گئیں اور اب بھی اسی نور سے مختلف چیزیں پیدا کی جاتی ہیں اگر ان مادی اشیاء میں وہ نور نہ ہوتا تو وہ کس طرح فیض پاتے؟ اگر سورج روشن نہ ہو تو زمین کس طرح نورِ آفتاب سے فیضیاب ہوں؟

جب معلوم ہوا کہ اشیأ اس نور محمدی سے پیدا کی گئی ہیں تو لازمی طور پر یہ معلوم ہوا کہ اس نور کو تمام اشیا کا مبدأ ہونے کا شرف حاصل ہے اور ہر چیز کے لئے اس میں ایک جہت ہے جس کا مصدر وہی جہت اور وہ نور اپنے عین علم سے مختلف جہات کو جو اس کو حاصل ہے، ان اشیأ کے علم ہیئت میں وارد ہے۔ وہی علم فعلی ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے واضح کیا کہ جب جہت کسی چیز کا مصدر ہوتا ہے وہی اس شے کا سِرّ اور باطن ہے۔ اگرچہ یہ بھی اس شے کا غیر ہی ہوتا ہے کیونکہ صادر مصدر کا غیر ہوا کرتا ہے کسی چیز یا شیء کی مثل یا شبیہہ کا احساس حاصل ہوتا ہے اسی احساس کو ادراک کہتے ہیں اس کی حیثیت کا حصول جو اس شے اور مشارٌ الیہ کے وجود کا مبدأ ہے، کس طرح ہوتا

ہے؟ مسمّٰی الیہ اس کی حقیقت ہے اگر یہ ہر شے کو حاصل کہتے ہیں: وَشَـتَّانُ وَمَا بَيْنَهُمَا ان دونوں میں بڑا فرق ہے

ہم اس کو روح کلی کا نام دیتے ہیں آدمی جو مخلوقات میں سے ایک ہے، اسی کے فیضان میں سے ایک فیض ہے، اس سے متعلق اس حیثیت کے رابطہ کے ذریعے اس سے متصل ہے، جو اس کا جہت صدور ہے۔ فیض اسی راہ سے مسلسل نیچے اترتا ہے۔ ایک پل بھی معطل نہیں ہوتا اور جمادات، نباتات اور حیوانات جیسے دیگر مخلوقات کو بھی اسی طرح فیض پہنچتے رہتے ہیں مگر آدمی اپنے آپے میں آیا ہوا بیدار و ہوشیار ہے، اس پیوستگی سے، جو اس کے اور روح کلی کے درمیان موجود ہے، اسے روح کلی کی جانب معراج و ترقی ملتی رہتی ہے جس کی بنا پر وہ ہر وقت اس کی طرف رجوع کرتا رہتا ہے اور بعض مقررہ حقائق کو دیکھ لیتا ہے جیسا کہ خواب اور مراقبہ وغیرہ میں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بیداری اور آگاہی کی بدولت آدمی میں خاص روح اور ملکہ پیدا ہوتی ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتی اگرچہ مختلف قوتوں میں وہ ان کی مثل اور مانند ہے اگرچہ یہ صرف آدمی سے ہی فعل میں آتا ہے جیسے فیض شرف کی بدولت وہ کوہِ طور جو اس سے متجلی و روشن ہوا۔

آدمی سے مراد بنی آدم ہونا ہے صورت و فہم کی کیفیتوں کے تکوین کے لحاظ سے یہ روح بے حد دقیق اور بعید المثال ہے اب جس قدر اس کی بیداری اور آگاہی میں اضافہ ہوتا ہے، آدمی کی آدمیت بڑھ جاتی ہے کیونکہ حقیقت آدمی وہ نقطہ ہے جس قدر یہ بڑھ جاتا ہے، آدمیت بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ روح کلی اس پر پوری طرح واضح و روشن ہو جاتی ہے یہاں تک کہ تمام دقائق سے وہ مطلع و آگاہ ہو جاتا ہے جو اس میں ثبت ہے۔

یہ تمام عروج ایک نفس کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں اور وہ خاتم پیغمبراں علیہ الصلوۃ والسلام ہیں جسے آپ نے اپنا نور فرمایا ہے اور نقطۂ اول جو روح اعظم ہے، نقطۂ آخر جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصل ہوں گے، حقیقتاً کسی اور کے لئے یہ مقام حاصل نہیں کیونکہ آپ مخلوقِ اول ہیں۔

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ مجھے اور دیگر انبیاؑ کو اس نور سے پیدا کیا ہے۔ صادر مصدر کا غیر ہوا کرتا ہے اور غیر کے ساتھ اتحاد محال ہوا کرتا ہے۔ لیکن نورِ ہویت سے جزوی طور پر روشن ہو جانا ممکن ہے

جب نورِ کلی کا ظہور ہوتا ہے تو ہویت جزوی سے غافل ہو جاتا ہے جیسا کہ دن کی روشنی میں ستارے دکھائی نہیں دیتے کہ:

رَجَّۃٌفِی النُّوْرِ نور میں نہا جانا

نورِ محمدی روح کلی یا روحِ اعظم

اگر کوئی کہہ دے کہ یہ تمام حکایات روح اعظم میں سے ہیں وہاں تک رسائی کی امید رکھتے ہو اور حدیث قدسی میں اس طرح آیا ہے کہ:

خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ پہچانا جاؤں۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تو روح کلی سے مربوط بات اس لئے کر رہے ہیں کہ غیر اللہ میں گفتگو کرنے کا محل وسیع تر ہے پہلے ہم اس کو اختتام تک پہنچائیں گے اور جو کچھ ہم نے روح کے بارے میں گفتگو کی ہے، پر قیاس کرتے ہوئے ہم اس سے مافوق کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔ یہ وہ کلمہ ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی میں آیا ہے جسے فقیہہ ابواللیث سمرقندی نے روایت کی ہے کہ:

خَلَقْتُ الْخَلْقَ مِنْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ وَ خَلَقْتُ نُوْرَ مُحَمَّدٍ مِنْ نُوْرِ وَجْھِیْ میں نے مخلوق کو نور محمد سے پیدا کیا ہے اور نور محمد کو اپنے نورِ وجہہ سے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ:

اَلْمُوْمِنُوْنَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ اللّٰہِ مومنین مجھ سے اور میں اللہ کی طرف سے ہوں

نیز مقاتل میں آیت کریمہ:

وَ یَسْـَٔـلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (اسرا:۸۵) روح سے متعلق آپ سے پوچھتے ہیں آپ فرمائیں کہ روح میرے رب کے امر میں سے ایک ہے۔

کی تفسیر میں آیا ہے کہ اَیْ مِنْ نُوْرِ رَبِّیْ یعنی امر سے مراد میرے رب کا نور ہے۔

اس میں کوئی التباس نہیں کہ یہ سب امر الٰہی ہیں جن کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی ہے جو روح کلی کا مصدر ہے یہاں امر الٰہی کی روح کلی کے ساتھ نسبت ایسا ہی ہے جیسی روح کلی کے جہات کے ساتھ دیگر ارواح کی نسبت!

پس نور کلی نورالٰہی میں فانی ہے اسی طرح ارواح جزوی بھی روح کلی میں خالی اور فانی ہوتی ہے یہ فنا کسی شے میں کسی امر کے ذریعے دوسری شے کا فنا ہو جانا جیسا ہے۔

دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی (النجم ۸۔۹)

وہ اس قدر قریب ہوا یہاں تک کہ قوسین یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

یہ قاب قوسین شاید روح کلی کے اعتبار سے درمیان ہو چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ:

رَئَیۡتُ رَبِّیۡ فِیۡ جَنَّۃٍ خُضۡرَآءٍ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَہٗ یَاقُوۡتُ حُمۡرَآءٍ اَوۡ اَدۡنٰی مَرۡتَبَۃُ اَسۡقَاطٍ

میں نے اپنے رب کو جنت خضرا میں دیکھا میرے اور اس کے درمیان مراتب سقوط میں سرخ یاقوت یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ صدور شے بطریق ایجاب بھی ہوتا ہے جیسا کہ روشنی۔روشنی اور آفتاب صادر اور مصدر آپس کے رابطہ اور مناسبت پر موقوف ہے اما فعل اختیاری جیسا کہ بڑھئی کا بنایا ہوا تخت جو اس سے بے نیاز ہے تخت بڑھئی نہیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ بڑھئی کے بارے میں غلط سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اس کا بنانے والا بڑھئی کی عقل و نفس ہے نہ کہ اس کا جسم۔کیونکہ بڑھئی کا نفس اور عقل جب تک تخت کا تصور نہیں کرتا وہ تخت کو نہیں بنا سکتا۔اور وہ صورت تخت کا مناسب ادراک ہے اور اس صورت کے تصور کی حیثیت سے تخت صادر ہوا ہے تمہیں اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی چیز پیدا فرماتا ہے اپنے علم کے تحت پیدا فرماتا ہے۔فعل اختیاری بلا علم نہیں ہو سکتا۔عالم معلوم کی مناسبت سے ہوا کرتا ہے عالم کو معلوم حاصل ہونا لازمی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں کہ معلوم سے کوئی اثر قبول کرے اور اس کا علم علم انفعالی ہو بلکہ معلوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا اثر ہو مبدأ کی مناسبت سے ذات کے لئے اور ذات سے ہو جس کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

یہاں کوئی ایجاب لازم نہیں آتا کہ جاذبہ موجب ہو اور علم سے نسبت رکھتا ہو۔یہ نہ کوئی کمی ہے نہ بیشی۔حقیقت میں فعل اختیاری یہی ہے۔کیونکہ تحقیق میں فعل اختیاری کی نسبت ہے نہ کہ واقع میں وجوب کی نسبت جیسا کہ واضح ہوا۔

مخلوق میں سب سے افضل؟

اگر کوئی کہے کہ کوئی مخلوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشرف و افضل نہیں اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے تو حقیقت محمد افضل ہے یا آپ کی شخصیت؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے اور دوسرے پیغمبروں کو اس نور سے پیدا کیا گیا ہے؟

اس کے جواب میں کہے کہ یہاں کلی طور پر لینا چاہیے نہ کہ شخصی طور پر۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مصدر صادر کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے جیسا کہ عارف رومی نے کہا ہے۔

ای خدا فریاد ازین فریاد خواہ داد خواہم نہ زکس زین داد خواہ

داد خود را من نیابم جز مگر زانکہ اواز من بمن نزدیک تر

یعنی اے خدا! اس فریاد خواہ سے فریاد! میں کسی منصف سے داد خواہی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے انصاف کسی اور سے نہیں بلکہ خود اپنے آپ سے مل سکتا ہے جو میری رگ جان سے بھی نزدیک تر ہے۔

چنانچہ کسی چیز اور اس کی طالب کے درمیان معقول نسبت نہیں اس کی تفہیم کے لئے تو ادراکِ صفا کی ضرورت ہے ہم نور کلی کو الگ لفظ کے ساتھ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدل دیتے ہیں تاکہ التباس دور ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ وہ ہستیٔ مطلق ہے ہویتِ باریٔ تعالیٰ کا فروغ وہی ہے:

خَلَقْتُ نُوْرَ مُحَمَّدٍ مِنْ نُوْرِیْ میں نے نور محمد کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔

ابھی کوئی معقول بات ہے کہ کوئی کہہ دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہے یا ہستیٔ مطلق؟ جب حضرت محمد جملہ ہستیٔ مطلق میں سے ہے اس بات کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ہستیٔ مطلق کوئی شخصیت نہیں جس کی بنا پر یہ معقول ہو جائے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول یا روح کلی تک پہنچتا ہے اور دوسرا خدائے تعالیٰ تک۔ یعنی جزوی کی پستی سے اوپر بلندی پر آجاتا ہے اور عالمِ کل سے مل جاتا ہے اور پھر اسی کلیہ کے ذریعے اللہ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ مخلوق کا اول خالق حقیقی اللہ جل شانۂ بیک مرتبہ ہے اور جزئیات اسی خلق واحد کے تحت تمام مخلوق میں شامل ہوتا ہے مثلاً حرکتِ کواکب دورۂ کلیہ میں چنانچہ اللہ واحد ہے اور مخلوق بھی واحد ہی ہے۔ حکما کا قول:

وَالْوَاحِدُ لَا یَصْدِرُ عَنْهُ اِلَّا وَاحِدٌ واحد سے واحد ہی صادر ہو تا ہے۔

یہی ہے اور جاہل فلاسفہ اس کے سوا کچھ اور سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض داناؤں نے کہا ہے کہ عقل اول وجود مطلق ہے اس کے سوا اللہ تعالیٰ سے کوئی اور صادر نہیں ہوا انہوں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہستیٔ اول کے سوا کوئی صادر نہیں ہوا۔

جملہ عالم صورتِ عقل کل است کوست بابای ہر آنک اہل قل است

ہر کہ او با عقل کل کفران فزود صورتِ کل پیش او چون یک نمود

صلح کن با این پدر عاقی بھل تا کہ فرش زر نماید آب و گل

من کہ صلح دائماً با این پدر این جہان چون جنت ہستم در نظر

ھر زمان تو صورتی و تو جمال

تاز تو دیدن فرو میرد ملال

☆یعنی سارا جہاں عقل کل کی صورت میں ہے اور تمام اہل زبان کے لئے وہ مثل باپ کے ہے جو عقل کل کا انکار کرتا ہے اس کے سامنے کل واحد کی صورت میں آتا ہے اس باپ کے ساتھ صلح کر اور عاق ہونے سے بچ۔ تاکہ آب و گل کا فرش (بھرم) باقی رہ جائے پس میں اس باپ کے ساتھ ہمیشہ صلح کر کے خوش رہتا ہوں اور اس جہاں کو جنت کی مانند پر امن پاتا ہوں۔ ہر وقت تم ایک نئی صورت اور نئے جمال میں ہوتے ہو نئی آب و تاب سے ملال و اکتاہٹ ختم ہو جاتی ہے۔

اسی سلسلے میں سعدی فرماتے ہیں۔

گفتم این نفس رام کی گردد؟ گفت چون دید گوشالی چند

گفتمش چیست گفتۂ سعدی؟ گفت پند است حب ومالی چند

گفتم او را چہ حاصل است از او؟ گفت غم خوردن وملالی چند

گفتم آری مثال دنیا چیست؟ گفت زالی کشیدہ خوانی چند

گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند؟

گفت گرگ و سگ، شغالی چند

☆یعنی میں نے پوچھا کہ نفس کب مطیع و فرمانبر دار ہو جاتا ہے؟ بولا اس وقت جب اس کی خوب گوشمالی کی جائے۔ میں نے پوچھا کہ سعدی نے کیا کہا؟ بولا چند نصیحتیں، محبت اور اموال دنیا کا ذکر کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ان سے اسے کیا حاصل؟ وہ بولا کہ غمگین ہونا اور ملال واکتا جانا حاصل ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ دنیا کی مثال کیا ہے؟ وہ بولا جیسے کسی بوڑھی عورت نے دستر خوان بچھار کھی ہو۔ میں نے پوچھا کہ اہل ستم کونسا گروہ ہے؟ وہ بولا یہ دنیا کے پیچھے پڑنے والے چند بھیڑیے، چند کتے اور چند گیدڑ ہیں۔

اسی سلسلے میں سعدی کا یہ بھی کہنا ہے۔

باخود دوش در سخن بودم — کشف شد بر دلم مثالی چند
گفتم ای پایہ ٔ ھمہ دانش — دارم از تو بحق سوالی چند
گفتمش چیست زندگی ٔ دل؟ — گفت خوابی است باخیالی چند
گفتمش چیست کد خدای؟ گفت — ھفتہ عیش و غصہ سالی چند
گفتمش چیست ملک ومالی چند؟ — گفت درد سر وبالی چند
گفتمش بحث این زمانہ چیست؟ — گفت بی ھودہ قیل و قالی چند

گفتمش اہل زمانہ در چہ دمند؟
گفت در بند جمع مالی چند

☆یعنی کل میں خود کلامی کر رہا تھا اس دوران میرے دل میں چند مثالیں منکشف ہوئیں۔ میں نے پوچھا کہ اے دنیا کے دانشوروں کا راہنما! میں تم سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں تم جواب دو۔ دل کی زندگی کیا ہے؟ جواب دیا کہ دل کی زندگی خواب کی مانند چند مہمل خیالات کا نام ہے۔ میں نے پوچھا کہ گھرداری کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ ایک ہفتہ کی عیاشی اور چند سال کے غم وغصے سے عبارت ہے۔ میں نے پوچھا کہ ملک ومال کی کیا حیثیت ہے؟ جواب دیا کہ یہ درد سر، مصیبت اور وبال جان ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اہل زمانہ آج کل کیا گفتگو کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ وہ چند بے ہودہ قیل و قال میں مذاکرہ کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ کس کا دم بھرتے ہیں؟ جواب دیا کہ

وہ جمع مال و دولت میں سر گرداں ہیں۔

وجودِ مطلق

یہ جو وجودِ مطلق کی ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ کلی یا اعتباری مفہوم کی وجہ سے نہیں جس کا اہل تخیل خیال کرتے ہیں اور اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں بلکہ ہم اس کے تعلق اور مبدا کو چاہتے ہیں جو ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے متعلق گفتگو کی تشریح پوری طرح بالخصوص اس مجال میں بیان نہیں ہو سکتی۔

کیا وجودِ مطلق اور صادر اول ایک ہے؟

اگر کوئی کہے کہ تم وجودِ مطلق کو صادر اول کیسے لیتے ہو؟ حالانکہ وہ خدائے تعالیٰ میں شامل ہے؟

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک و منزہ ہے کہ کوئی چیز اس کے ساتھ شامل ہو کیونکہ مشمول (ضمن / داخل) محاط (گھیرا ہوا / احاطہ کیا ہوا) ہوتا ہے اور شامل محیط (گھیرنے والا / احاطہ کرنے والا) ہوتا ہے اس لئے محیط محاط سے افضل و برتر ہوتا ہے اور وہ ہستی کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ جز دہندہ کا ممکن ہے اور وہ ہستی واجب الوجود۔ اور واجب اصلی ہے اور ممکن الوجود فرع۔ ابھی کس ہستی کو جو اس میں شامل ہو، تم چاہتے ہو؟ وہ تو اس کا اثر ہے نہ کہ اس میں شامل۔ اگر تم ان دونوں کے سوا کوئی اور عام ہستی کی بات کرتے ہو خواہ وہ ہستی عام ہو یا فرع، معقول نہیں کیونکہ فرع بنفس خود کسی اصل تک پہنچ جاتا ہے نہ کہ کسی امر تک۔ خواہ اس کا اپنا امر ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح باطنی اور ظاہری لحاظ سے بھی جو ان تینوں میں شامل ہیں۔

کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ روئے مطلق ان دونوں سے عام ہے کیونکہ ایک حقیقی رو ہے اور دوسرا اس رو کا عکس۔ اب اگر روئے حقیقی مراد لے تو وہ فقط روئے ظاہری ہے اور اگر روئے عکس مراد لے تو صرف روئے باطنی ہے جس کو عقل پر محمول نہیں کیا جا سکتا مگر معنیٔ مشترک اسم اور ہستی عام کے جسے ہم صادر اول کہتے ہیں اور ہستی کا یہی معنی لیتے ہیں جو ممکنات میں سے ہے۔ اسے بیان کرنے کے لئے ہم نے آئینہ کی مثال دی ہے یہ محض ضرورت تمثیل کی بنا پر ہے ورنہ یہاں کوئی تمثیل یا شبیہ حقیقی نہیں ہے۔

ابھی بات یہاں تک پہنچ گئی ہے آدمی اور اس کے وجود کی غرض و غایت حق الیقین ہے اس کے لئے اس غرض و غایت تک رسائی ممکن ہے۔ اب لازم ہو گیا ہے کہ وہاں تک رسائی کے طریقوں کو واضح کریں۔ اگرچہ

بحث میں اس مطلق کے بارے میں اشاروں میں بات کرنے سے خالی نہیں اور اس ایک کلمہ کے بارے میں بہت کچھ بطریق سوال وجواب گزرچکی ہے۔ابھی ہم پھر برسر مطلب آتے ہیں۔

علم کے مراتب ۳ہیں یا۴

اگر کوئی سوال کرے کہ اہل تحقیق میں سے ایک جماعت نے علم کو ۴ مراتب میں بیان کیا ہے۔

(۱)علم الیقین۔

(۲)عین الیقین۔

(۳)حق المعنی۔

اور(۴)حق الیقین۔

تم نے یہاں تین بتایا ہے کونسی بات درست ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہماری گفتگو اور ان کی بات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔اگر آدمی سمجھدار ہے تو گذشتہ بحث میں اس کی جانب اشارہ ہوچکا ہے کہ حصول حق الیقین ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے وہ یہ کہ آدمی کا اپنے مبدأ کی جانب از سرنو رجوع کرنے کا نام ہے جب وے اشیأ کے مبدأ کی جانب رجوع کرے گا تو وہ اشیأ کی حقیقت کو جان لے گا۔پس اس طرح اس کو اپنے مبدأ کے بارے میں حق الیقین حاصل ہو جائے گا۔اور وہ اس حیثیت سے کہ وہ اپنے مبدأ کی جانب اشارہ کرنے والا ہے، ظلمتِ امکان سے وہ زائل نہیں ہو جائے گا بنابریں حکم حقیقت میں غلو کیا اور ظلمت امکان کو پست کردیا اور یہ علم اس کی جانب منسوب ہو جائے گا چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

لَایَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعُهٗ وَبَصَرُہٗ وَیَدُہٗ وَرِجْلُهٗ وَلِسَانُهٗ فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یُبْطِشُ وَبِیْ یَمْشِیْ وَبِیْ یَنْطِقُ

نوافل پڑھنے سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے چاہتا ہوں جب میں کسی کو چاہتا ہوں تو میں اس کے کان، اس کی آنکھ، اس کے ہاتھ، اس کے پیر اور اس کی زبان بن جاتا ہوں پس وہ میری قوتِ سماعت سے سنتا، میری قوتِ بصارت سے دیکھتا، میری قوت سے کام کرتا، میری قوت سے چلتا اور میری قوت سے بولتا ہے۔

پس حق الیقین حق تعالیٰ جل جلالہٗ کو حقیقی معنوں میں حاصل ہے اور اس کے بندوں کو عارضی طور پر۔اسی بنا پر مراتب یقین کے ۴ درجے بتائے گئے ہیں اور حق الیقین کو ذات وعرض کی ۲ قسمیں قرار دیے گئے ہیں لہٰذا اس شخص نے چار حصے کر کے بتادیا ہے۔

کہتے ہیں کہ حق الیقین جو مراتب یقین میں چوتھا درجہ ہے، حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں اور بندے کے لئے اس کا حصول محال ہے۔یہ اس لئے کہ اس کا ظلمت امکان نورِ حقیقت کے حاوی ہونے اور چھا جانے کی وجہ سے ایسا پست ہوا ہے جو اس کی ہویت میں حائل نہیں ہوتا لیکن ظلمت امکان کا مکمل طور پر مرتفع ہونا محال ہے کیونکہ ایسا ہونا گویا حقائق کا بدل جانا ہے اور مخلوق کے لئے حد مخلوقیت سے تجاوز ممکن نہیں ہے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ؎

بیمار شود عاشق بمی میرد

☆یعنی عاشق عشق کا مریض ہوتا ہے اور وہ عشق کی گرمی سے مر جاتا ہے۔

مقصد تک رسائی سے روکنے والے عناصر

اب ہم پھر برسرِ مطلب آتے ہیں۔ہم نے پہلے وعدہ کیا تھا کہ حق الیقین تک طریق وصول بیان کریں گے جو وجودِ انسان کی اصل غرض وغایت ہے۔حق الیقین کوئی ایسا علم نہیں کہ کوئی شخصیت اس کو خارج سے کسب کرے اور اپنے اوپر باندھ لے بلکہ یہ ایسا علم ہے جو جوہرِ آدمی سے ملا ہوا اور مربوط ہے۔پس ہمیں دیکھنا چاہیے کہ جب جوہر آدمی ایسا دانا اور درست ہے تو پھر اس کی ذات میں جہل ونادانی کا سبب کیا ہے؟ اور کس علت کی وجہ سے جوہر آدمی اپنے مخصوص کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے؟ اور اپنی چمک دھمک کھو کر کیوں معدوم وناپدید ہوگئی ہے؟

جب یہ معلوم ہو جائے تو حق الیقین تک رسائی کا طریقہ معلوم ہو جائے گا۔اور یہ علت واسباب کے ذریعے ہی ممکن ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر انسان حق سے متعلق ناطق (بولنے والا) اور درست وصواب تک ملحق (پہنچنے والا) ہے لیکن چند ساتھی اور چند شریک بھی اس کے جسم کے ہمراہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے بھی جداگانہ نطق (گفتگو) ہے اور ان کی گفتگو نہایت لطیف ہونے اور حد درجہ قریب ہونے کی وجہ سے اس

کے اور شرکائے کے نطق کو جدا جدا نہیں جان سکتے اور ان میں الگ الگ تمیز نہیں کر سکتے۔

اگر وہ کوئی بات کہہ دے اور اس کے شرکائیں سے بعض اس کا الٹ بول اٹھے تو پھر اس وقت وہ نقص یا فرق معلوم ہو جائے گا اور اس پریشانی میں معاملہ مشتبہہ ہو جائے گا اور وہ حیران و پریشان ہو جائے گا کہ ان مختلف گفتگوؤں میں سے کونسی گفتگو اس کی اپنی ہے اور کونسی دوسرے کی؟ یوں وہ ہمیشہ حیرت و اضطراب میں غرق و مبتلا رہ جائے گا:

ذَالِكَ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ وَبَلَآءٌ مُّقِيْمٌ یہ تو دردناک عذاب اور ٹل نہ جانے والی بلا ہے۔

ذات انسانی سے منسلک بعض طفیلئے

شرکاء کی چند قسمیں ہیں بعض نفس ادراک کے ساتھ مزاحم ہیں جیسے خیال، وہم اور بعض محض ادراکات اور احکامات پر حامل اور مہمان ہیں جیسے محبت جو کسی محبوب کے حسن یا عقیدت کے سبب حامل ہو جاتی ہے کیونکہ اسی کا الٹ مخالفت و عداوت ہے جو اباوانکار پر محمول ہے دشمنی اسی سے موصوف ہے۔ بعض مکتسب خارجی ہیں جیسے تقلیدی اعتقادات، جو آبأواجداد سے لیے جاتے ہیں اسی طرح مختلف عادات جو بعض اعتقادات کا مبدأ ہوتے ہیں مثلاً اغواجو نفس ہستی میں لذت وآزمائش کے لئے واقع ہوتے ہیں جو کہ ابلیس سرانجام دیتا ہے۔

طفیلیوں کو دور کرنا ضروری

اب یہ عجیب وغریب لاحقہ جو ہر آدمی کو درپیش ہے جس کی بناء پر آدمی نے اپنے اصل جوہر کو فراموش کر دیا ہے اور ان کو اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ دھتکار دیا گیا۔

جب بھی آدمی ان شرکاء کو خود سے جدا اور الگ کرتا ہے اور ان عجیب وغریب لواحق اور طفیلیوں سے جو اس سے خارج اور غیر ہیں، پاک وصاف ہو جاتا ہے اور خود کو بغیر تلبیس پاتا ہے اور اپنی گفتگو جو درست و صحیح ہے، اس کی اصل جوہر کے ساتھ خاص ہے تو وہ درست وصواب کے سوا کچھ نہیں سوچتا جو ان پر توجہ دیتا ہے اس حرارت توجہ سے فی الحال باریک پردہ جو اس پر پڑا ہوتا ہے، پگھل جاتا ہے اور اس کا چہرہ کھل جاتا ہے۔ اس وقت مناسب یہ ہے کہ اس کو صفی کہا جائے یہ صفاو پاکیزگی اس کو حق الیقین مطلق تک پہنچا دیتا ہے جو اس کا کمال ہے۔ پس وہ محمد یعنی حقیقی لائق تعریف بن جاتا ہے اور اس کا معاد (جائے رجوع) وہ ہوتا ہے جو مضمون کا معنی ہے اور

معاد عین مبدا ٔ ہے جب یہ دونوں معنی اس کو مبدا ٔ امر میں حاصل ہو جائے تو اس کو ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ ہے ان دونوں معانی کا نام۔

میگویند تو در ذات خویش صفی و محمدی سعی کن کہ باخود رسی

☆یعنی تم اپنی ذات میں گویا صفی (پاک وصاف) ہے اور اگر کوشش کرے تو محمدی (تعریف کردہ) تک پہنچ جاؤ گے۔

التباس کے مقام میں یہ شرکاء جو جوہرِ ذات سے الگ ہیں، تو باہر نکل آئے تو یہ اس غیبی ندا کا مضمون ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے کہ جس کی خاصیت ذات بالقوہ باقی رہے اور فعل و عمل میں نہ آئے تو ملاوٹ والتباس سے جو جوہرِ ذات سے الگ ہیں، پاک وصاف ہرگز نہیں ہو گا اور اس کا وجود امواجِ حیرت و ظلمات اور وہم و گمان کے تھپیڑوں میں مضطرب و پریشان ہو گا۔

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج:11) یہ تو سراسر خسارہ ونقصان ہیں۔

صورت شریعت ان تمام کیفیتوں سے تخلیص ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام کے لائق توضیح کی جائے لیکن مجال شک کی وجہ سے اس سے زیادہ لکھنا میسر نہ آیا بلکہ جس قدر ہم نے لکھا ہے اس میں بھی طوالت و آزمائش کا خوف ہے۔ اس لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

کبھی گفتگو سلوک اور اس کے اطوار پر ہوتی ہے جس کو سمجھنے اور فہم کرنے سے قاصر ہیں لیکن جب گفتگو اصول اور اس کے مراتب کے بارے میں ہو جائے تو آنکھ اس کے ادراک سے اندھا اور دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر ولاغر رہتے ہیں۔ ہم نے اس تحریر کے ذریعے خود کو اس سمندر میں ڈال دیے تھے اور اس بحر ذخار کے تلاطم امواج میں غرق ہو گئے تھے ایزد متعال جل شانہٗ کی مدد و دستگیری نے ہمیں ساحل پر پہنچا دیے ہیں۔ امید ہے کہ اس کے دیکھنے اور سننے والے کو یہ سرگردانی نہیں ہو گی اگر کوئی بات شروع میں سمجھ میں نہ آئے تو اس پر مکرر نظر ڈالنی چاہیے۔ اگر بار بار تکرار نظر کے باوجود بھی سمجھ میں نہ آئے تو جتنا ہو سکے اس کے انکار میں جلدبازی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا محرومی کا موجب ہو سکتی ہے۔ جس قدر ممکن ہوا ہم نے تقریب وایضاح کی کوشش کی ہے لیکن بہت کچھ پوشیدہ رہ گئی ہیں جنہیں پھر دیکھنا پڑے گا۔ مجمل باتیں بار بار دیکھ کر جو کچھ ہم لکھ چکے

ہیں،اس سے مفصل لکھی نہیں جاسکتی۔جو کچھ شروع میں دل میں آجائے عقل اس کو تفصیل سے سمجھ سکتی ہے اور عقل جو کچھ سمجھ سکتی ہے،زبان اس کی ترجمانی کر سکتی ہے اور جو کچھ زبان ترجمانی کر سکتی ہے، قلم اس کو لکھ سکتا ہے پھر جو کچھ لکھا اور پڑھا جائے مخاطب اس کی جانب توجہ اور التفات کرے گا اس کی عقل اور فکر کو اس تحریر کے معنی اور حقیقت میسر آئے گا اور جو کچھ اس نے سوچا ہے اس کے دل میں بیٹھ جائے گا چنانچہ اس کے جوہر سے مل جائے۔

ابھی یہ تمام معانی سمجھ جائے دائرۂ شعور میں نقطۂ اول مکمل ہو جائے مسافرانِ معانی منازلِ اندیشہ یعنی گفتگو،سماعت،اور فہم کے منازل کو طے کرے دل کی گہرائی کے ساتھ جہاں سے سفر شروع کیا تھا، آغاز کرے تو وہ گھوم پھر کر پھر اسی جگہ پہنچ گیا ہے۔

این آن سر کوی بود کہ اول زانجا بھمہ جھان سفر کرد

☆یعنی یہ گلی کی وہ پہلی منزل تھی جہاں سے سفر جہاں پر نکل پڑا تھا۔

وہ اپنے مستقر اور آرامگاہ میں پہنچ جائے گا کیونکہ مسافروں کا دل ہمیشہ وطن میں لگا رہتا ہے اگر ان مراحل میں سے کسی میں رہ جائے تو وہ بعد میں نادم، غمگین اور پریشان انگشتِ ندامت کاٹتا رہ جائے گا اور پکار اٹھے گا کہ:

''ہم اپنی آرام گاہ سے کیوں نکل پڑے؟اور یہ فضول کام ہم کیوں کر بیٹھے؟''لیکن

وَلَا يَنْفَعُ النَّدَمُ لِمَا سَبَقَ بِهِ الْعِلْمُ

☆یعنی ندامت اب کچھ فائدہ نہ دے گی کیونکہ علم آگے بڑھ چکا ہے۔

ان کو شاعرانہ گفتگو نہ سمجھیں کیونکہ ان میں لطیف اور دقیق حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

وَكُلٌّ مَيَسَّرٌ۔لِّمَا خَلَقَ لَهُ وَالْإِشَارَةُ كِفَايَةٌ جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اسے میسر ہے عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدی



احوالِ صوفیاء

شیخ ابو القاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادیؒ

محمد منشا خان

آپ کا اسم گرامی ابراہیم نصر آبادیؒ ہے۔ نصر آباد نیشاپور کا ایک محلہ تھا جس کی وجہ سے آپ کو نصر آبادی کہا جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو القاسم ہے آپ نیشاپور کے بڑے شیخ، محدث اور مؤرخ تھے۔(۱) آپ نے شیخ شبلیؒ، شیخ ابو علی روذباریؒ اور شیخ مرتعشؒ وغیرہ کی صحبت اختیار کی۔ مولانا عبد الرحمن جامیؒ لکھتے ہیں کہ آپ شیخ ابراہیم شیبانیؒ کے شاگرد تھے۔ آپ (شیخ نصر آبادی) اپنے زمانے میں اہل اشارات و حقائق اور معلومات تصوف کے شیخ تھے، بہت سے علوم پر آپ کو تبحر حاصل تھا، حدیث شریف اور علم تحریک کے حافظ تھے علوم معرفت کے ساتھ آپ کو خصوصی لگاؤ تھا۔(۲) جس طرح نیشاپور میں خوارزم بادشاہ تھے اور شاہ پور میں حمویہ بادشاہ گزرے ہیں اسی طرح آپ نے نیشاپور میں بلند مرتبہ پر فائز تھے، فرق یہ تھا کہ وہ دنیا کی عزت رکھتے تھے اور آپ آخرت کی عزت سے مالا مال تھے۔ آپ کا کلام انوکھا اور نشانیاں بہت ہین، حضرت شبلیؒ کے مرید اور متاخرین اہلِ خراسان کے استاد تھے۔(*)

آپ کی صحبت سے بے شمار صوفیہ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں کی طویل فہرست ہے، جن کا شمار وقت کے معروف صوفیہ میں ہوتا ہے۔ معروف صوفی اور لاتعداد کتب کے مصنف حضرت عبد الرحمن سلمیؒ کا شمار بھی آپ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب فرماتے ہیں کہ نورالدین شریبہ نے شیخ سلمی کے ۲۸ (اٹھائیس) اساتذہ کا ذکر کیا ہے جن میں شیخ ابو القاسم نصر آبادیؒ کا نام بھی ہے، جو اپنے وقت کے بہت معروف صوفی تھے۔(۳)

شیخ ابو عبد الرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ قحط پڑ گیا تو لوگ استسقاء کے لیے نکلے، جب سورج بلند ہوا تو تیز ہوا چلی، گرد و غبار اور تاریکی پھیل گئی، کوئی کسی کو گرد و غبار کی شدت کی وجہ سے دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ ہم

اپنے استاد محترم ابو القاسم نصر آبادیؒ کے ساتھ تھے۔ پس آپ نے فرمایا: ہم تاریک (خطاکار) ابدان کے ساتھ، غافلوں کے ساتھ آئے اور ہماری زبان کے ساتھ دعوے ہوا کی مثل ہیں۔ پس ہم ہوا کو ناپنے والے ہیں اور ہوا کے ذریعے ہمیں تکلیف پہنچی۔

جب صبح ہوئی تو آپ نکلے حال آں کہ آپ درویش تھے۔ لیکن پھر بھی لوگوں پر آپ کا رعب تھا، آپ نے اس اغنیاء کو طلب فرمایا پھر آپ نے ایک گائے، بکری کا بہت سا گوشت، چاول اور حلوہ کا سامان خریدا، پھر آپ نے ندا فرمائی: جو اس کو کھانا چاہتا ہے وہ مصلے پر آجائے پس لوگ آئے، کھانا کھایا اور ساتھ بھی لے گئے۔ عصر کے بعد بہت زیادہ بارش ہوئی اور ہم صبح تک مسجد میں ہی ٹھہرے رہے۔ آپ نے یہ اشعار پڑھے:

خرجوا للاستسقاء فقلت لهم

دمعي ينوب لكم عن الانواء

قالو! صدقت ففي دموعك مقنع

لو لم تكن ممزوجة بدماء

ترجمہ: لوگ بارش طلب کرنے کے لیے نکلے تو میں نے ان سے کہا، میرے آنسو تمہارے لیے سفارشی بنے۔ انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا، آپ کے آنسوؤں میں عاجزی ہے اگر آپ آنسو نہیں بہاتے تو بارش نہ ہوتی۔[۴]

ابو عبد الرحمن السلمی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو القاسم نصر آبادی فرماتے ہیں کہ جو شخص جزاء دیکھنے کی شرط پر عمل کرے تو اس کے عمل گنتی میں ہوں گے، جو مشاہدہ کی شرط پر عمل کرے مشاہدہ اسے گنتی بھلا دیتا ہے اور جو گنتی کے مطابق عمل کرے تو اس کا ثواب گنتی میں ہو گا۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (سورہ الانعام ۱۶۰)

ترجمہ: جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔

اور جو مشاہدہ کے لئے عمل کرے تو اس کا اجر گنتی کے بغیر ہو گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورہ الزمر ۱۰)

ترجمہ: بلاشبہ صابروں کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔ (*)

بقول علامہ اقبال

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے

اے بے خبر! جزا کی تمنّا بھی چھوڑ دے

شیخ ابو عبدالرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ جب ۳۶۶ھ میں حج کے لیے گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ ہر منزل پر حدیث کی سماعت کرتے تھے، جب آپ بغداد میں داخل ہوئے تو آپ شیخ ابو بکر احمد بن جعفر بن مالک القطیعی کی طرف گئے تو انہوں نے آپ کو ایک قاری کی طرف بھیجا، آپ نے اس کو فرمایا اگر تو اچھی قرأت کر لیتا ہے تو پھر کھڑا ہو اور قرأت کر، پس اس نے ان سے قرآن پاک لیا اور ایسی قرأت کی کہ لوگ حیران ہو گئے کہ اس نے مجلس میں اتنا پڑھ کہ جتنا پانچ دن میں پڑھا جاتا ہے۔ (۵) عبدالرحمن السلمی نے ابوالقاسم نصر آبادیؒ کے ساتھ بہت وقت گزارا۔ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے۔ انھوں نے ابوالقاسمؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب بھی ہم کسی نئے شہر میں پہنچتے تو ابوالقاسم مجھ سے کہتے چلو یہاں چل کر حدیث سنتے ہیں۔ (*)

صوفیہ کرام کی صحبت میں بیٹھنے والے خاص باتوں کو محفوظ کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، وہ ایک ایک لفظ کو رائیگاں نہیں جانے دیتے۔ اکثر کتبِ تصوف میں پڑھنے کو ملتا ہے کہ بہ ظاہر مختصر قول (جو عوام کو عام نظر آتا ہے، جس کے پوشیدہ معنی و فواید سے عام طبقہ بے خبر ہوتا ہے) کو صوفیہ کرام اپنی کتب میں بڑے اہتمام کے ساتھ نقل فرما کر تاریخِ تصوف کا حصہ بناتے ہیں۔

شیخ نصر آبادی کا یہی معمول تھا کہ آپ ہر وقت اپنے پاس قلم، دوات اور کاغذ رکھتے تھے۔ جب آپ سے اس کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں جب کوئی علمی بات یا حکمت وغیرہ کی بات سنتا تو اس کو لکھ لیتا ہوں (اس لیے یہ سامان اپنے پاس رکھتا ہوں)۔ [۶]

مفتی غلام سرور صاحب لاہوری اپنی کتاب خزینۃ الاصفیاء میں لکھتے ہیں کہ

ایک بار شیخ ابو القاسمؒ مکہ مکرمہ میں جبل رحمت پر قیام فرماتھے۔ گرمی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ سخت گرم لو چل رہی تھی۔ آپ کو سخت بخار نے آلیا۔ آپ بخار کی شدت میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے کہ ایک مرید آپ کے سرہانے آکر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے پانی کا ایک ٹھنڈا پیالہ درکار ہے اس شخص نے ادھر ادھر نظر ڈالی، ہاتھ پاؤں مارے مگر ٹھنڈا پانی کہیں سے نہ ملا بڑا مایوس ہوا۔ ٹکڑا نمودار ہوا اور ژالہ باری شروع ہوگئی، اس کے سامنے والوں کا ڈھیر لگ گیا اس نے محسوس کیا کہ یہ حضرت شیخ کی کرامت ہے۔ اپنا برتن بھرا اور حضرت کے پاس لے آیا آپ نے پوچھا یہ اولے کہاں سے لے آئے ہو اس نے سارا واقعہ سنایا اور اعتراف کیا کہ یہ آپ ہی کی کرامت ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا اس کے پینے سے میرے نفس میں رعونت آجائے گی۔ [۷]

تاریخی کتب میں آپ کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ آپ کسی خاص کیفیت میں ہوتے تو بے ساختہ اشعار بھی کہتے۔ امام قشیریؒ نے اپنے رسالہ میں اور حافظ ابن الملقن نے آپ کے اشعار نقل فرمائے ہیں۔

ومن کان فی طول الھوی ذاق سلوۃ

فانی من لیلی لھا غیر ذائق

واکثر شیء نلتہ من وصالہ

امانی لم تصدق کلمحہ بارق

ترجمہ: جو شخص محبت کے طول میں ہوتا ہے اس کو دکھ اور ملال کا مزہ چکھنا پڑتا ہے، پس میں لیلی کی محبت میں ملالہ کے بغیر ہوں۔ مجھے اس کے وصال میں زیادہ سے زیادہ جو چیز ملی ہے، وہ صرف امیدیں ہیں جو ایک لمحہ کے لئے بھی پوری نہیں ہوتیں۔[۸]

ارشادات:

۱۔ اوقات کی حفاظت اور ان کا خیال رکھنا آدمی کے چوکنا ہونے کی علامت ہے۔[۹]

۲۔ آپ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

تصوف کی اصل کتاب وسنت پر مضبوطی سے عمل، خواہشات اور بدعات کو ترک کرنا، بزرگوں کی حرمتوں کی تعظیم کرنا، اوراد و وظائف کی پابندی کرنا، رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب کو ترک کرنا ہے۔[۱۰]

۱۰۔ طبقات الاولیاء ص ۴۶)(رسالہ قشیریہ ص)

آپ کا ارشاد ہے کہ

یعنی تم دونوں نسبتوں کے درمیان ہو۔ ایک نسبت حضرت آدمؑ کی طرف ہے اور دوسری نسبت اللہ کی طرف ہے۔ جب تم آدم کی طرف منسوب ہوتے ہو تو شہوت کے میدانوں میں اور آفت کی غلط جگہوں اور مقامات میں داخل ہو جاتے ہو، یہی وہ نسبت ہے جس سے تمہارا بشر ہونا ثابت ہے، اسی نسبت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدمؑ بڑا جفاکار اور ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے۔ (اور) جب تم اپنی نسبت حق تعالیٰ سے قائم کرتے ہو تو تم کشف و براہین اور عصمت و ولایت کے مقامات میں داخل ہو جاتے ہو، یہی وہ نسبت ہے جس سے حق تعالیٰ کی بندگی کا ثبوت ملتا ہے اسی نسبت کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے فرمایا: رحمٰن کے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔[۱۱]

ابو القاسم نصر آبادیؒ فرماتے ہیں کہ

جنت اس لیے قائم ہے کہ اللہ تعالی نے اسے قائم رکھا ہے، اور اللہ تعالی کا تمہیں یاد کرنا اس کی رحمت اور تمہاری محبت اس وقت تک قائم رہے گی، جب تک وہ خود قائم ہے اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک تو وہ چیز ہے جس کے بقاء کا انحصار اس کی ذات پر ہے اور دوسری وہ جس کا بقاء اس ذات الٰہی کے باقی رہنے سے قائم ہے۔[*]

وفات:

جب آپ مکہ میں گئے، قبرستان کو دیکھا تو فرمایا کتنا اچھا ٹھکانا ہے اس کے لیے جس کی قبر اس قبرستان میں ہوگی۔ پھر آپ بیمار ہوگئے، آپ کو کھجور کی خواہش ہوئی اور آپ نے کھجور طلب فرمائی۔ پس جب آپ کو کھجور پیش کی گئی تو (مرض/تکلیف بڑھ جانے کی وجہ سے) آپ اس کو تناول نہ فرما سکے۔[۱۲]

استاد اسحاق زاہد خراسانیؒ اکثر موت کا ذکر کرتے رہتے تھے لیکن آپ نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا کہ موت کے بجائے محبت کا ذکر کیا کرو۔ لیکن آپ نے اپنے انتقال کے وقت ایک نیشاپوری باشندے سے جو اس وقت آپ کے سرہانے موجود تھا فرمایا کہ کہ جب تم نیشاپور جاؤ تو استاد اسحاق سے کہہ دینا کہ جیسا تم بیان کیا کرتے تھے، واقعی موت بہت سخت دشوار ہے۔[*]

ایک روایت میں ہے کہ شیخ ابو عثمان مغربیؒ نے مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں اپنی قبر خود ہی تیار کرالی تھی، اس آرزو پر کے مرنے کے بعد مجھے وہاں دفنا دیا جائے۔ شیخ ابو القاسمؒ نے آپ کو کہا جس کا قبر کو اپنے تیار کرایا ہے اس میں مجھے دفن کیا جائے گا مگر آپ کو نیشاپور میں دفنایا جائے گا۔ یہ بات شیخ ابو عثمانؒ کو ناگوار گزری۔ کچھ دنوں بعد شیخ ابو عثمان مغربیؒ کو ایک ضروری کام کے لیے بغداد جانا پڑا۔ بغداد سے ہوتے ہوئے ہیں ھرات

گئے اور کچھ دنوں بعد نیشاپور میں چلے گئے اور وہاں ہی آپ کا انتقال ہو گیا، اور نیشاپور میں دفن کر دیئے گئے۔ جو قبر جنت البقیع میں تیار کی گئی تھی اس میں شیخ ابو القاسم نصر آبادیؒ کو دفنایا گیا۔(۱۳)

آپ نے مکہ میں وفات پائی اور آپ کو شیخ فضیل بن عیاضؒ کے قرب میں ۳۶۷ھ میں دفن کیا گیا۔ مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے آپ کا سالِ وصال ۳۷۲ لکھا ہے۔(۱۴) رسالہ قیشریہ اور دیگر کتب میں آپ کا سالِ وفات ۳۶۷ھ لکھا ہے۔

آپ کی وفات کے حوالے سے مفتی غلام سرور صاحب لکھتے ہیں کہ

آپ کی وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی تھی ہمارے اس قول کی تائید صاحبِ نفحات الانس اور صاحبِ سکینۃ الاولیاء نے بھی کی ہے، مگر امام یافعی کے قول کے مطابق اور مجلس الاخبار میں امام قشیری کے حوالے سے آپ کا سن وفات ۳۶۷ھ لکھا ہے۔

شیخ ابو القاسم که از انوار حق

گشت روشن در جهاں مانند ماه

سال وصلش هست قاسم نیك نام

سالك "هادی ابو القاسم" بخواه

۳۷۲ھ

قطب دوراں (۳۷۲ھ) وحید زمان ابو القاسم (۳۶۷ھ) قاسم ولی عالی جاہ (۳۶۷ھ)(۱۵)

کسی نے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھ کر حال پوچھا تو فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر ایسا عتاب نہیں کیا جیسا دوسرے زبردست کیا کرتے تھے۔ البتہ یہ اندازہ ضرور آئیں کے ابو القاسم وصال کے بعد جدائی کی ہے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے لحد میں رکھ دیا گیا اب تو احد تک پہنچا دے۔(*)

حواشی وتوضیحات:

ا۔طبقات الاولیاء، صفحہ ۲۵، حافظ ابن الملقن سراج الدین ابو حفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری، مترجم: ابو الفرید محمد ضیاء الحق چشتی، اشاعت:۲۰۱۸ء بار اول، پروگریسو بکس لاہور

۲۔نفحات الانس صفحہ ۴۲۰

*۔ شیخ علی بن عثمان ہجویری لکھتے ہیں کہ ابو القاسم ابراہیم محمد بن محمود نصر آبادیؒ تبع تابعین میں سے ایک، اور عارفوں کے احوال بیان کرنے والے ہیں۔ آپ تصوف میں بہت ہی عالی مقام اور بلند مرتبہ ہیں۔ آپ ایسے تھے جیسے نیشاپور میں خوازم شاہ اور ہم بھی حمویہ شاہ پور، فرق تھا تو یہ کہ عالم اسباب میں ان بادشاہوں کا درجہ اور عزت دنیامیں تھی اور آپ کی عزت اور درجہ آخرت میں۔ آپ کا کلام عجیب اور کرامتیں بہت ہیں۔ آپ شیخ شبلی کے مرید اور اہل خراسان کے متاخرین صوفیا کے استاد تھے۔ آپ کے زمانے میں کوئی شخص آپ کی مثال نہ تھا۔ طریقت کے فنون میں آپ اہل زمانہ میں سے زیادہ عالم اور متورع (پرہیز گار اور متقی) تھے۔(کشف المحجوب، ص۱۵۸، مترجم: مولوی فیروز الدین، بار اول، ۲۰۰۳ء، فیروز سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور)

۳۔رسالہ قشیریہ، مقدمہ، صفحہ ۹۰، امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، صفحہ ۴۳۱، اشاعت اول ۱۹۷۰ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۴۔طبقات الاولیاء، حافظ ابن الملقن، صفحہ ۴۸۔ تاریخ دمشق، جلد ۷، صفحہ ۱۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

*۔طبقات الصوفیہ، صفحہ ۳۴۴، ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین السلمی، مترجم: شاہ محمد چشتی، اشاعت ۲۰۱۱ء، ادارہ پیغام القرآن لاہور

۵۔نتائج الافکار القدسیہ، جلد ۲، ص ۲۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔ طبقات الاولیاء، صفحہ ۴۸

*۔ سیر اعلام النبلاء، جلد ۱۶، صفحہ ۲۶۴

۶۔ طبقات الاولیاء، حافظ ابن الملقن، صفحہ ۴۸۔ تاریخ دمشق، جلد ۷، صفحہ ۱۰۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

۷۔ خزینۃ الاصفیہ، صفحہ ۱۳۶۔۱۳۷، مفتی غلام سرور لاہوری، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، اشاعت ۱۹۸۳، مکتبہ نبویہ لاہور

۸۔ طبقات الاولیاء ص ۴۶، ۴۷

۹۔ طبقات الاولیاء، حافظ ابن الملقن، صفحہ ۴۶۔ تاریخ دمشق، جلد ۷، صفحہ ۱۰۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

۱۱۔ شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ پہلی نسبت بشریت کی ہے اور دوسری نسبت عبودیت کی۔ نسبت آدم تو قیامت میں منقطع ہو جائے گی، البتہ نسبت عبودیت ہمیشہ قائم و دائم رہے گی اس میں تغیر تبدل جائز نہیں رکھا گیا۔ جب اپنی نسبت کو اپنی طرف یا حضرت آدمؑ سے جوڑے تو اس کا کمال یہ ہے کہ وہ کہے "انی ظلمت نفسی" میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اور جب اپنی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرے تو وہ بندہ اسی کا محل بن جاتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمائے "یا عبادی لا خوف علیکم الیوم" اے میرے بندے! آج تم پر کوئی خوف نہیں۔(کشف المحجوب، صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۶، شیخ علی بن عثمان ہجویری، مترجم مفتی غلام معین الدین نعیمی، اشاعت ۲۰۱۰ء، قادری رضویہ کتب خانہ، لاہور)

*۔ ابو عبد الرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ میں نے نصر آبادی سے سنا آپ فرماتے تھے: تو اللہ کے افعال کی صفات اور ذات کی صفات میں متردد ہے۔ حالانکہ دونوں در حقیقت اللہ کی صفتیں ہیں چنانچہ جب وہ تجھے مقامات فرقہ میں سرگرداں کر دے تو وہ تجھے اپنے فیل کی صفات کے ساتھ ملا دیتا ہے اور جب تجھے مقامی جماعت تک پہنچا دے تو تجھے اپنی ذات کی صفات سے ملا دیتا ہے۔(رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۳۹۔۱۴۰)

۱۲۔طبقات الاولیاء، حافظ ابن الملقن، صفحہ ۴۶۔ تاریخ دمشق، جلد ۷، صفحہ ۱۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

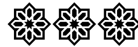
*۔(تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۴۳۶–۴۳۷، شیخ فرید الدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی، ناشر کمرشل بک ڈپو حیدر آباد)

۱۳۔خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۱۳۷

۱۴۔نفحات الانس ص ۴۲۰

۱۵۔خزینۃ الاصفیہ صفحہ ۱۳۹

*۔(تذکرۃ الاولیاء ص ۴۳۶–۴۳۷)



تعارف مخطوطات

منقبت الجواہر از ملا حیدر بدخشی

(حیات شاہ ہمدان پر قدیم کتاب)

محمد یعقوب براہوی

حضرت شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے حیات خدمات اور تعلیمات پر دنیا بھر میں اب تک 25 کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ پاکستان میں سب سے پہلے چھپنے والی تحقیقی کتاب ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر کی کتاب میر سید علی ہمدانی ہے، ضخامت اور مطالب کے لحاظ سے سب سے اہم کتاب ڈاکٹر شمس الدین احمد کی کتاب میر سید علی ہمدانی حیات اور خدمات، فارسی میں ڈاکٹر ریاض ہمدانی کی کتاب احوال و آثار واشعار میر سید علی ہمدانی اور ڈاکٹر پرویز اذکائی کی کتاب شاہ ہمدان احوال و آثار و آرا میر سید علی ہمدانی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے سب سے ہم تصنیف نورالدین جعفر بدخشیؒ کی خلاصۃ المناقب ہے جو شاہ ہمدان کی وفات کے ایک سال بعد 787ھ میں مکمل ہوئی دوسری اہم ترین کتاب منقبت الجواہر ہے ذیل میں اسی کتاب سے متعلق گفتگو کریں گے۔

حضرت شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے بارے میں تذکرۃ نگاروں اور محققین نے مختلف زبانوں میں بہت کچھ لکھا ہے اُن کتب ورسائل اور مقالاجات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کچھ حضرات نے سنی سنائی قصہ کہانیوں پر اکتفا کیا ہے کچھ نے شائع ہونے والے غیر معیاری مواد کو نقل کیا ہے البتہ بہت محققین نے بہترین کام کیے ہیں اُن میں سر فہرست ڈاکٹر شمس الدین احمد مرحوم کا نام آتا ہے۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد کے سوائے باقی سب کا منبع ومصدر خلاصۃ المناقب تک محدود رہا ہے۔ منقبت الجواہر اس موضوع پر قدیم اور مستند کتاب ہونے کے باوجود اس سے بہت ہی کم لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہم کتاب اُن کی نظروں سے اُوجھل رہی ہے جس کی وجہ اس کے قلمی نسخوں کی کمیابی اور اس کے مخطوطات تک رسائی نہ ہونا ہے۔

میر سید علی ہمدانیؒ کے قدیم ترین سوانح عمری خلاصۃ المناقب اور منقبت الجواہر ہیں۔ دونوں کتابوں کے مصنف کا تعلق بدخشان سے تھے۔ شاہ ہمدانؒ کے سوانح عمری پر اولین کتاب خلاصۃ المناقب آپؒ کے مریدِ خاص

و خلیفہ شیخ نور الدین جعفر بدخشی نے آپؒ کی وفات کے ایک سال بعد 787ھ میں تصنیف کی۔ دوسری قدیم کتاب منقبت الجواہر کے مصنف ملاحیدر بدخشی ہیں جو عبداللہ برزش آبادیؒ کے مرید تھے۔

منقبت الجواہر حضرت شاہ ہمدانؒ کے احوال پر قدیم اور مستند کتاب ہے اس میں حضرت شاہ ہمدانؒ کے احوال و مناقب، کرامات معجزات، مکاشفات و معائنات اور اسفار کے داستانوں کو نہایت سلیس اور دلچسپ پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ اس کتاب پر ابھی تک خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے البتہ 1970ء یا 1980ء کے دہائی میں انجمن موذنین بقعہ عالیہ خانقاہ فیض پناہ سرینگر کے زیر اہتمام مولوی محمد ابراہیم کا اُردو ترجمہ شائع ہوا تھا یہ اُن حضرات کی کاوش ہے جو دادو تحسین کے لائق ہے لیکن اُردو ترجمہ نہایت کمزور اور ترجمہ متن کے عین مطابق بھی نہیں ہوئی ہے۔ پروف کی بے شمار اغلاط موجود ہیں۔ یہ نادر کتاب ترجمہ تدوین اور پیش کش کے لیے کسی مسیحا کا منتظر ہے۔

راقم کی علم کے مطابق اس کتاب کے قلمی نسخے کتابخانہ ملک تہران، کتابخانہ خانقاہ احمدیہ ایران، ریسرچ لائبریری سرینگر، محکمہ آرکیو جموں وکشمیر، علامہ اقبال لائبریری سرینگر میں موجود ہیں۔ شاہ ہمدان ڈیجیٹال لائبریری میں مذکرہ کتابخانوں سے حاصل شدہ 3 مخطوطات کے عکس موجود ہیں۔

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے کہ جس میں آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے جانے کے 100 سال بعد لوگ میری کتابوں پر تحقیق کریں گے اگر ہم آپؒ کے اس قول پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ہمدان کے بعد فی زمانہ آپؒ کے کتب ورسائل، حیات و خدمات پر کافی کام ہوئے ہیں اب بھی بہت سے رسائل ایسے ہیں جن پر کام نہیں ہوا اور وہ ابھی تک گوشہ گمنامی میں پڑا ہوا ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کے اُن علمی آثار کی تلاش کے لیے آپؒ کے عقیدت مندوں کو کھوج لگانے اور اُن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

سال 2020ء مخطوطات کے حوالے سے نہایت شاندار اور مبارک سال ثابت ہوا اس سال یورپ اور ترکی سے سلسلہ کبرویہ عالیہ ہمدانیہ نوربخشیہ کے سینکڑوں مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ مخطوطات کی دریافت کے حوالے سے اطلاع اہل ذوق حضرات کی تسکین قلب کے لیے گاہے بہ گاہے فیس بک پر پوسٹ کرتا رہا ہوں

لیکن چند لوگوں کو فیس بک پر ہماری یہ پوسٹیں بھی گران گزریں اور مختلف فیس بک آئی ڈیز کے ذریعے ہمیں خوب گالی گلوچ سے بھی نوازتے رہے ہیں۔اُن میں سے ایک صاحب جو کسی تنظیم کا صدر ہے نے کسی دینی جلسے میں فرمایا کہ یعقوب براھوی فاؤنٹن پین سے لکھی ہوئی تحریب شدہ تحریروں کو ترکی اور یورپ کے کتابخوں کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں جبکہ ہمیں آگاہ ہوناچاہئے فاؤنٹن پین 1950ء کی ایجاد ہے وغیرہ وغیرہ۔ان لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ شاہ ہمدانؒ ایران سے کشمیر وبلتستان آئے ہیں ایسے میں ترکی اور یورپ میں اُن کے علمی آثار کیسے پہنچ سکتا ہے؟؟

خیر ایسے لوگوں کو کون سمجھائے حکیم الامت علامہ اقبال نے جب یورپ کے کتابخوں میں مسلمانوں کی قلمی کتابوں کے ذخیرے دیکھے تو پکار اُٹھے تھے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

غالباً 2015ء کے اوائل میں راقم نے برٹش لائبریری لندن جاکر شاہ ہمدان کے قلمی نسخے حاصل کرکے میرے اُستاد محترم شاہ ہمدان شناس جناب غلام حسن حسنو صاحب کو پیش کیا تو اُن مخطوطات کو دیکھنے کے اُنھوں نے بتایا یہ قلمی نسخے بلتستان کے مشہور خطاط میر عبداللہ شگری ابن میر مختار اخیار کی کتابت ہے۔جس سے کسی انگریز نے ہندوستان سے واپسی پر ساتھ لے جاکر برٹش لائبریری کو عطیہ کیا تھا۔

شاہ ہمدان کے علمی آثار یورپ اور ترکی تک کیسے پہنچا؟ اور ترکی میں لوگ اوراد فتحیہ کا ورد کیوں کرتے ہیں؟ ان سب باتوں کا جواب یہاں دینا مناسب نہیں سمجھتا چونکہ اس وقت ہمارا موضوع شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح ومناقب پر لکھی گئی کتاب منقبت الجواہر کا تعارف ہے۔البتہ شاہ ہمدان کے علمی آثار ترکی میں کیسے پہنچے اس کا جواب اسی کتاب موجود ہے۔صاحب منقبت الجواہر خواجہ اسحق ختلانیؒ کے قول نقل کرتے لکھتے ہیں کہ ایک بار یہ فقیر حضرت شاہ ہمدانؒ کی خدمت میں حاضر تھے حضرت سعادت نے فرمایا ایک مرتبہ ملکِ روم (ترکی) کے شہر بروسہ پہنچا وہاں کچھ دن گزرنے کے بعد بادشاہ کو خبر ہوئی اُس نے وزیر کو حکم دیا کہ حضرت سید ہمارے مہمان

ہیں اُنھیں نہایت احترام سے محل میں لایا جائے وزیر حضرت شاہ ہمدانؒ کے خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا دعوتی پیغام پہنچایا تو آپؒ نے قبول نہیں کیا۔ وزیر واپس جا کر بادشاہ کو واقعہ سے آگاہ کیا تو بادشاہ نے کہا اگر حضرت سید ہمارے پاس تشریف لانا نہیں چاہتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہم خود اُن کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ وزیر دوبارہ حضرت امیر کبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کے آمد کی خبر دی آپؒ نے فرمایا بادشاہ کو چاہئے کہ وہ محل میں تشریف رکھیں ہم خود اُن سے ملاقات کے لیے آتے ہیں۔ وزیر فوراً محل پہنچ کر حضرت امیر کبیرؒ کے تشریف آوری کی اطلاع دی تو بادشاہ نے حکم دیا بہترین ضیافت کا اہتمام کیا جائے اور شہرے تمام علماء کو بھی مدعو کیا جائے۔ جب حضرت امیر کبیرؒ کی تشریف آوری ہوئی تو بادشاہ نے بے حد احترام و تعظیم کے ساتھ مجلس کے اُونچے مقام پر بٹھایا۔ علماء حسد سے آپس میں چاہ میگوئیاں کرنے لگے کہ بادشاہ نے ایک انجان سید کو اس قدر عزت دی ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ بادشاہ کی فرمائش پر اُن کے ہاں کچھ دن ٹھہرے پھر حج کے لیے روانہ ہوئے۔

واقعہ کافی طویل ہے ہم یہیں پر اختصار کرتے ہیں چونکہ ہمارا موضوع مخطوطات کی تعارف ہے۔



منقبت الجواہر نسخہ محکمہ آر کیائیو جموں و کشمیر

وجه تسمیه چاه زمزم بزمزم

جهت بسیار آب اوست زمزم و زمزموم و زمازم

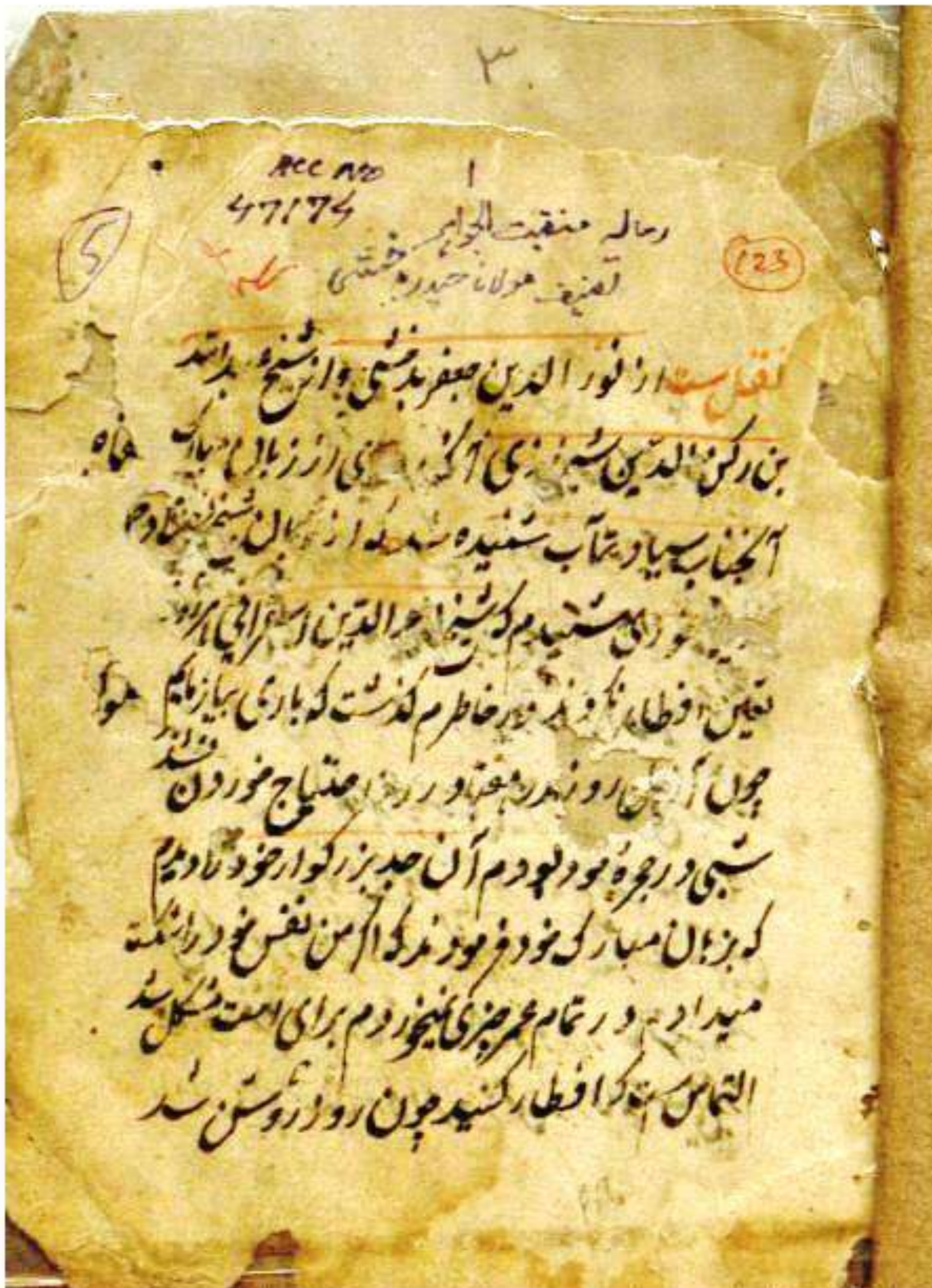
ماء کثیر را گویند بعضی گویند که این لفظ مشتق نیست از چیزی

اسمی است ابتداء علم آن چاه شد

رو بسوی کعبه اسلام همه آوردند

گشته چون قبله نما حضرت شاه همدان

منقبت الجواہر نسخہ علامہ اقبال لائبریری سرینگر جموں وکشمیر


ACC NO
47174
رساله منقبت الجواهر
تصنیف مولانا حیدر بدخشی
123

نقل است از نور الدین جعفر بدخشی و از شیخ [illegible]
بن رکن الدین [illegible] از زبان مبارک
آنجناب بسیار حکایت شنیده شده از زبان [illegible]
[illegible] شنیدم که شیخ [illegible] الدین [illegible]
نفس افطار [illegible] خاطرم گذشت که باری بیاز ماییم
چون [illegible] روز [illegible] محتاج خوردن شد
شبی در حجره بودم آن حضرت بزرگوار خود را دیدم
که بزبان مبارک خود فرمودند که [illegible] نفس [illegible]
میداد [illegible] در تمام عمر چیزی نخوردم برای امت مشکل شد
التماس [illegible] افطار کنید چون روز روشن شد

نوربخشیات

ایک توجہ طلب گزارش

نجم الدین ہمدانی

انسان کی زندگی دو حصوں پہ مشتمل ہے ایک ماقبل موت اور ایک مابعد موت۔ موت سے پہلے کی زندگی حقیقتاً بہت مختصر ہے اور اس زندگی میں انسان کو آزادی گئی ہے کہ وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہوئے اپنا وقت گزارے یا مطلق آزادی کی زندگی گزارے۔ گو کہ ہر انسان اپنی ذہنی شاکلہ کے مطابق یہاں عمل کرتا ہے قرآن کی سورۃ الاسراء میں اللہ نے بھی اسی کا تذکرہ کیا ہے:

كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (سورہ بنی اسرائیل:۸۴)۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس سے سب واقف ہیں۔

ہر انسان آزاد ہے کہ وہ اپنے ذہن اور دماغ سے جو اچھا جانے اس پہ عمل کرے اور جس عمل کو برا جانتا ہو اسے ترک کرے۔ مگر کچھ لوگ اپنے پورے وجود کو اس کے پیدا کرنے والے کے لئے وقف کرتا ہے۔ اس کی یاد میں جیتا ہے، اس کی رضا کے حصول کے لئے دن رات ایک کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ پورے احساس کے ساتھ اپنے اور اپنی افتادِ طبع کو اس ایک اللہ کے قریب کرنے میں ماقبل موت کی زندگی وقف کرتا ہے۔ اس کی تعبیر اس طرح ہو سکتی ہے کہ وہ جسمانی طور پہ دنیا میں ہوتے ہیں مگر ان کا دل اور ذہن وادی آخرت کی سیر و سیاحت میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں ہوتے ہوئے آخرت کے لئے جیتا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ سے دنیا میں ہیں اور رہیں گے۔ مگر آج کی مادہ پرست زندگی میں ایسے لوگ خال خال نظر آتے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی نیک اور صالح لوگ دنیا میں ہوتے ہیں جن کا مقصد اللہ کی رضا پانا ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ لوگ اپنی پوری زندگی دین و مذہب کی خدمت میں گزار دیتے ہیں۔ سلسلہ ذہب مذہب صوفیہ نے حال ہی میں ایسے درخشاں ستارے کو راہی اجل ہوتے دیکھا ہے۔ امسال جن کی وفات ہوئیں ان میں سے ایک صوفی غلام محمد المعروف بوا صوفی اور دوسرا شاہین نبی اور صوفی ابو علی تھگس ہیں۔ بالخصوص صوفی غلام محمد نے اس سلسلہ کے انتظامی معاملات کو بروقت حل کر کے سلسلہ صوفیہ نوربخشیہ کو کئی طرح کے مسائل سے نجات دلایا۔ جامع مسجد کرسمہ تھنگ اسکردو اس کی زندہ مثال ہے اور طفیل کالونی اسکردو کی شاندار مسجد کی تعمیر میں ان کی خدمات ہم

سب کے لیے باعث فخر ہے۔ شاہین نبی نے بھی معرکہ چھچھن میں بھرپور کردار ادا کیا چنانچہ ای شمارہ 137 میں محقق غلام حسن حسنو نے اس پہ اجمالی روشنی ڈالی ہے۔ بالخصوص یہ دونوں حضرات نور بخشی دنیا میں آنے والی تبدیلیوں کے چشم دید گواہ تھے۔ مگر یہ دونوں اپنے سینے میں بہت سی معلومات اور حقائق کو لئے ابدی زندگی کی طرف چلے گئے۔ اگر ان دونوں کا مفصل کوئی انٹرویو ہمارے پاس ہوتا تو آنے والی نئی نسل ان کو خدمات سے ولولہ پاتے رہتے۔ دریں آنحالیہ کہ ایسا کہیں ہوا ہو نظر نہیں آتا۔ بہر حال آج بھی الحمدللہ ان کے خاص دوست اور دین وملت کے مخلص خدمت گار ہمارے درمیان میں موجود ہیں جن سے یہ معلومات لی جاسکتی ہیں اور ہر خاص وعام اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ حسنو صاحب نے برسوں پہلے اس طرح کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا مگر وہ فقط کچھ خاص افراد تک محدود رہا تھا۔ اللہ حسنو صاحب کو ایمان اور صحت اور لمبی عمر دے کہ وہ اس سلسلے کو مزید جاری رکھیں۔ تاکہ جتنے بھی دین کے حقیقی خدمت گزار ہیں ان کی خدمات کو یاد رکھا جاسکے۔ اس طرف میرے خاص دوستوں نے توجہ دلائی جن کا میں شکر گزار ہوں۔

صوفی غلام محمد مرحوم کے خاص دوستوں میں سے ایک ذاکر احمد المعروف بابو ذاکر کریس بھی ہیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ آپ صوفی صاحب کے رازداروں میں سے ہیں۔ آپ صوفی صاحب کے ساتھ مل کر ہمیشہ دینی خدمات بجالاتے رہے اس لیے آپ بھی بہت سے مذہبی معاملات اور مشکلات کے عینی گواہ ہیں۔ اس کے علاوہ گلگت کے نور بخشی اثاثے اور مدرسہ شاہمدان کی تاریخ کی بنیاد سے، خاص کر اس وقت کے معاشرتی، علاقائی اور مذہبی مشکلات کے حوالے سے بھی آپ واقف ہے۔ اس وقت کی مشکلات سے ہمارے نوجوان واقف ہوں تو ان کو آج دینی خدمات کے لئے موجود آسانیوں کا ادراک ہو سکے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے ہاں دیگر کئی علاقوں کی مساجد و خانقاہوں کی تعمیر، مدرسوں کا قیام اور ان کی آباد کاری کے معاملات سے متعلق کئی دلچسپ اور حیران کن معلومات ہیں۔

ہماری دیرینہ خواہش ہے مدیر اعلی سے کہ وہ ان کا بھی ایک ذاتی انٹرویو لیں تاکہ اسکردو اور دیگر علاقوں میں اہل نور بخش کے حوالہ معلومات ملیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اوور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نشر مکرّر

تعلیم نسواں

کنیز فاطمہ خپلو بانی

(نشرِ مکرر کے عنوان سے اس شمارے میں نوائے صوفیہ شمارہ ۱۰۸ جولائی اگست ۲۰۱۱ء میں شائع شدہ کنیز فاطمہ خپلو بانی کا مضمون تعلیم نسواں اشاعت ہے)

علم کے بغیر کسی بھی معاشرے کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ دنیا کے وہ ممالک جن میں تعلیم یافتہ افراد زیادہ ہیں۔ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر فرد اور عورت پر فرض ہے لیکن ہمارے ملک میں اکثر لوگ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کو محض گھر کی چار دیواری اور امور خانہ داری کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک طبقہ کے خیال کے مطابق عورت کو مرد کے شانہ بہ شانہ دفتروں، ملوں، کارخانوں اور نجی اداروں میں کام کرنا چاہیے اور ہر محفل میں شریک ہونا چاہیے۔ ایک تیسرا طبقہ عورتوں کی تعلیم کا حامی ہے لیکن عورتوں کو شمع محفل نہیں بلکہ چراغ خانہ بننے کی تلقین کرتا ہے تاکہ وہ ایک اچھی بہن، شفیق ماں، سلیقہ شعار بیوی اور اطاعت گزار بیٹی بن سکیں۔

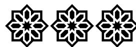
جو لوگ عورت کو تعلیم سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی جہالت میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ خود تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن بہن اور بیٹی کو اَن پڑھ رکھنا چاہتے ہیں۔ نپولین کہتا ہے کہ بہترین بچے بہترین مائیں ہی پیدا کرتی ہے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ بچے کی اولین تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ بھلا خود جاہل ماں کس طرح اپنے بچے کی اعلیٰ تربیت کر سکتی ہے اور جو لوگ عورت کو مغربی تہذیب کی تقلید کرتے ہوئے ہر محفل کی جان سمجھتے ہیں۔ انہیں جاننا چاہیے کہ عورت اور مرد کا میدانِ عمل کبھی الگ الگ ہوتا ہے اور کبھی مشترک۔ اس ترقی معکوس سے خاندانی نظام ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور جس سے آئندہ نسلوں کا مستقبل مخدوش ہو جاتا ہے۔ عورت کا صحیح کام مردوں سے تعاون اور بچوں کی نگہداشت و تربیت ہے۔ وہ تعلیم یافتہ خواتین جو تقلید مغرب کرتے ہوئے

یہ موقف اختیار کرتی ہے کہ اگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی بھاڑ جھونکنا پڑھ تو پھر تعلیم کا کیا فائدہ ہے؟ ان کا یہ موقف سراسر غلط ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی ان کا مقام گھر ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں ہی حاصلی نہ کریں بلکہ اپنی درسگاہوں سے اُمورِ خانہ داری بھی سیکھیں۔

عورت گھر کی سب سے بڑی ادب آموز ہستی ہے۔ وہی خاندان کا شیرازہ یکجا رکھتی ہے۔ عورت کے اختیار میں ہے چاہے وہ اپنے بچوں کی اچھی طرح تربیت کر کے قوم کے مستقبل کو شاندار بنادے اور چاہے وہ اپنی اولاد کی یا اخلاقی حالت سے غافل ہو کر اس کو تباہ و برباد کر دے کیونکہ ماں کے افعال و اعمال کا اثر شعوری اور غیر شعوری طور پر بچے کی ذہنی و جسمانی نشوونما پر پڑتا ہے۔ اس لیے بھی عورتیں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں۔ دنیا کی بیشتر نامور ہستیوں کی تربیت و پرورش تعلیم یافتہ ماؤں نے کی۔ تعلیم یافتہ والدین کے بچے عالی حوصلہ، روشن دماغ، صاف گو اور مہذب و باضمیر ہوتے ہیں۔

اِسلام نے فیصلہ کیا کہ ”علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے“۔ آج ہوائی جہاز نے چین کو قریب کر دیا ہے۔ جن دنوں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حصول علم کی تاکید فرمائی ان دنوں چین کا سفر جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا جو شخص علم حاصل کرنے کی کوشش میں فوت ہو جائے اس کو شہید کا درجہ ملے گا۔ اب وہ زمانہ نہیں کہ عورتوں کی تعلیم کا دروازہ بند کیا جا سکے۔ اب تو لڑکیوں کے لیے الگ سکول اور کالج قائم ہو چکے ہیں۔ یہی لڑکیاں پڑھ لکھ کر تعلیم یافیہ کہلائیں گی اور ملک و ملت کے لیے روشن ستارے بن کر رہنمائی کا کام دیں گی۔ بقول شاعر

علم حاصل کر عزیزم دیکھ لے انسان بن
اپنی کشتی کے لیے تو آپ کشتی بان بن



دینیات

اتحاد حقیقت اور ثمرات

شفاعت علی فیضی

سورج سے جس قدر حدت اور گرمی نکلتی ہے وہ پہاڑوں کو بھی جلا کر بھسم کر سکتی ہے لیکن چونکہ سورج کی شعاعیں زمین پر منتشر اور بکھر کر پڑتی ہیں اس لئے وہ ایک تنکے کو بھی نہیں جلا تیں لیکن اگر محدب عدسہ کے ذریعے سورج کی شعاعوں کو متحد کر کے کسی بھی کاغذ یا لکڑی پر ڈالا جائے تو وہ جل اٹھتا ہے۔اسی طرح اگر کسی قوم کے افراد منتشر ہوں تو وہ کوئی کارنامہ سر انجام نہیں دے سکتے لیکن اگر اس قوم میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہو تو وہ دریائوں کا رخ موڑ سکتے ہیں اور پہاڑوں کا جگر کاٹ دیتے ہیں۔

اتحاد ایک بہت عظیم طاقت اور گراں مایہ دولت ہے۔ اسے پانے کے لئے عموماً کسی مادی قربانی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ صرف اور صرف وسیع المشربی کا اظہار کرنا پڑتا ہے اور اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر اعلی سطح اور برتر مفاد پر نظر رکھنی پڑتی ہے جو چیزیں اتحاد اور اتفاق کی دیواروں میں دراڑیں ڈال کر تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنتی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

ا۔ تعلیم یافتہ اور مستحکم قوموں میں اتحاد بنیادی اور ٹھوس اصولی باتوں میں ہوتا ہے۔اور اختلاف معمولی اور فروعی باتوں میں ہوتا ہے نیز ان کا یہ اختلاف عموماً غلط فہمی، کج فہمی یا بولنے اور سننے میں کسی نقص یا عیب کا شاخسانہ ہوتا ہے مختلف فورموں پر بحث اور وضاحت کے بعد یہ اختلافات ختم ہو جاتے ہیں لیکن جاہل معاشروں اور پسماندہ قوموں کے افراد اتفاق کی بیشمار خوبیوں اور فائدوں کو بھول جاتے یا نظر انداز کرتے ہیں اور معمولی اختلافی باتوں کو اپنے سر پر سوار کرتے ہیں نیز یہ کسی غلط فہمی کا شاخسانہ نہیں بلکہ گروہی مفادات اور ذاتی انا کا مسئلہ ہوتا ہے اس لئے وہ جان بوجھ کر انہیں اچھالتے اور معاشرے میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکا دیتے ہیں۔مذہبی نقطہ نظر سے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر دو مسلمان توحید، رسالت، ملائکہ، کتب، آخرت اور دیگر بے شمار عقائد میں متفق ہوں وہ بے شمار بنیادی عقائد میں اتفاق و یگانگت کو نظر انداز کرتے ہیں اور کسی مسئلہ میں اس کا مباح یا عدم مباح مکروہ یا مستحب کا اختلاف ہو تو اسی مسئلے کو لے کر فریقِ مخالف کو کافر و مشرک ثابت کرنے پر تُل جاتے ہیں۔

جان بوجھ کر مسئلہ کی نوعیت کو اس سے بڑھ کر حیثیت دیتے ہیں کیونکہ وہ گروہی مفادات اور ذاتی انا کے تناو میں اختلاف کر رہا ہوتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

قلندر لاہوری فرماتے ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (العمران)

کہہ دیجیے اے اہل کتاب! آو ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

۲۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اہل کتاب سے کلمہ مشترکہ "توحید" نقطہ اتحاد بن سکتا ہے تو سب بنیادی عقائد میں اتفاق امت مسلمہ میں نقطۂ اتحاد کیوں نہیں بن رہا؟

انا پرستی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اختلاف و انتشار کا لاوا اس شدت سے بھڑکتا ہے کہ پورا معاشرہ اور پوری قوم بھسم ہو جاتی ہے لیکن ابھی اس آگ کی حدت اور تمازت باقی ہوتی ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ چھوٹی سطح سے لے کر بڑی سطح تک تباہی و بربادی نے اپنے ڈیرے جمالئے لیکن انا پرستی کی تسکین پھر بھی نہ ہوئی۔

قافلے برباد ہو کر رہ گئے تو کیا ہوا

مطمئن ہے قافلہ سالار اپنے کام سے

ذاتی انا کی تسکین کے لئے فتنہ وفساد کے بیج بو دینا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ(البقرہ:۲۰۶)

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا غرور اسے مزید گناہ پر اکساتا ہے، پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ یقینا برا ٹھکانا ہے۔

توحید کا پہلا قدم ہی اپنی ذات کی نفی ہے جب تک ایک بندہ اپنی "میں" اور انانیت کے بت کو پاش پاش نہیں کر دیتا اس وقت تک وہ ایمان کی حلاوتوں سے محروم رہتا ہے بقول غالب

ہر چیز سبک رفت ہوئے بت شکنی میں

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

انا کا جھگڑا اس صورت میں ختم ہو سکتا ہے کہ اگر تقابل اور بربادی کا تصور ختم کر دیا جائے دوسروں کو اپنے سے بڑا مان لیا جائے یا چھوٹا اپنے سے عقل مند مان لیا جائے یا کم عقل اگر بڑا مان لیا جائے تو اس کا احترام آ جاتا ہے اگر چھوٹا مان لیا جائے تو اس پر شفقت آ جاتی ہے۔ اس طرح کسی بگڑے ہوئے گھوڑے کو گولی مارنا آسان کام ہے لیکن اسے سدھانا مشکل ہے کسی بھی کم عقل کو دھتکار دینا آسان کام ہے لیکن اسے سنوارنا ہی تو شیوۂ مردانگی ہے۔ حضرت سفیان ثوری کا فرمان ہے "ہر چیز کی ایک زکوۃ ہوتی ہے اور عقل کی زکوۃ بیوقوف کی بات پر تحمل کرنا ہے"۔

قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس حقیقت کو بیان کیا ہے گزشتہ اقوام کی تباہی کا ایک بڑا سبب ان کی انا پرستی اور انانیت تھی جو حق بات کو صرف اس لئے ٹھکرا دیتے تھے کہ وہ حق اس کے دشمن کی زبان سے جاری ہوتا تھا۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (البقرہ:۲۱۳)

اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر انہی لوگوں نے جنہیں یہ (کتاب) دی گئی تھی اپنے پاس سے کھلم کھلی ہدایت آجانے کے بعد محض ہٹ دھرمی کے سبب۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۱۴)

اپنے پاس علم آجانے کے بعد وہ محض ہٹ دھرمی کے سبب فرقوں میں بٹ گئے۔

وہ لوگ یقیناً بہت عظیم ہوتے ہیں جو اپنی انا کو قربان کر کے ملک و قوم کے اتحاد کو بچا لیتے ہیں۔

۳۔ جس طرح ہر مادی کائنات چند اصولوں کے تحت چلتی ہے اسی طرح روحانی کائنات بھی چند اصول وضوابط کے تحت چلتی ہے اس کائنات کا ایک اصول وہ ہے جسے صوفیاء نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

جَزَآءُ الْحَسَنَةِ حَسَنَةٌ مِّثْلُهَا وَجَزَآءُ السَّيِّئَةِ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔

ایک نیکی دوسری نیکی کا ذریعہ بنتی ہے اور ایک بُرائی دوسری بُرائی کا ذریعہ بنتی ہے۔

ملت میں افتراق و انتشار کے بیج بو دینا بہت بڑی بُرائی ہے لیکن یہ بُرائی بھی اس کے مرتکب کے کسی گناہ یا بدی کا نتیجہ ہوتی ہے ہر وہ بندہ جو معاشرہ میں کسی بھی تقسیم اور افتراق کا سبب بن رہا ہو اسے محاسبہ نفس کرنا چاہیے۔اگر پوری قوم اجتماعی خود احتسابی کا عمل شروع کر دیا جائے تو قوی امکان ہے کہ وہ قوم اس گناہ سے محفوظ و مصوٗن رہے۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

۴۔ اکٹھے رہتے ہوئے مختلف معاملات میں اختلاف ہوتے رہتے ہیں اگر اختلاف میں کوئی انانیت یا ذاتی وگروہی غرضِ فاسدہ نہ ہو تو اختلاف رائے ایک مستحسن اور محمود شے ہے لیکن اختلاف کسی بھی قسم کا ہو اس کی

ایک حد ہوتی ہے اختلاف میں حد سے تجاوز کرنا نہ عقل کا تقاضا ہے نہ اخلاق کا اور نہ مذہب کا یہ کہاں کی شرافت ہے کہ

ایک میرے آشیاں کا چار تنکوں کے لئے

برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

ذاتی اختلاف کی آڑ میں پوری قوم کو تباہ کروادینا اور تمام حدود سے تجاوز کر جانا خالص نفس پرستی ہے بندۂ مومن کی شان نہیں۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت مسلمہ کو مسلم معاشرہ کی ایسی حصوصیات عطا فرمائی کہ جن سے انسان کو محض اپنے زندہ رہنے کے لئے ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی میں مکمل طور پر شریک ہونے کی تعلیم ملتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے دین حق اسلام کی تعلیمات لے کر تشریف لائے جو لوگ آپ کی دعوت کو قبول کر لیتے وہ امت مسلمہ کے افراد بن جاتے اور یہی اسلامی برادری کا مفہوم اور اس کی حقیقت ہے اور جب امت مسلمہ پر مخصوص قسم کے حقوق عائد ہوتے ہیں ان حقوق میں سے بنیادی اور اہم خصوصیات اتحاد و اتفاق ہے جسے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوبصورت اور حقیقی انداز میں بیان فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ مضبوط عمارت جیسا ہے اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے دکھایا۔ معاشرے میں ہر فرد کو وہی کردار ادا کرنا چاہیے اور ہر بات مزید یاد رکھنی چاہیے کہ عمارت کی تعمیر میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے لیکن عمارت کے گرنے میں چند لمحے صرف ہوتے ہیں تاریخ شاید ہے کہ امت مسلمہ پر کٹھن مرحلے آئے لیکن جب تک اتحاد و اتفاق بر قرار رہا امت مسلمہ کی طرف ٹیڑھی نگاہ اٹھانے کی کسی کو جرات نہیں تھی لیکن جب امت مسلمہ کے اندر انتشار نے سر اٹھایا امت مسلمہ کمزور ہوتی چلی گئی کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں فرما چکے ہیں۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (سورہ انفال:۴۶)

یعنی تم آپس میں مت جھگڑو ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اتحاد کے فوائد اور ثمرات: جب کوئی قوم متحد و متفق ہو کر چلتی ہے انہیں جو بنیادی برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ بالکل واضح اور عیاں ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی مدد ان کے شامل حال ہو جاتی ہے اور نصرت الٰہی انہیں اپنے جلو میں لے لیتی ہے اللہ کی مدد اور نصرت کا شامل حال ہونا تمام نصرتوں کا سبب ہوتا ہے۔ بقول غالب

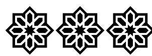
سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا۔

اختلاف و انتشار کسی قوم کو نصرت الٰہی سے جس طرح محروم کرتا ہے اور برکتیں اس قوم سے روٹھ جاتی ہیں اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔

عَنۡ عَبَادَةِ بۡنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِیُخۡبِرَنَا بِلَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ فَتَلَاحٰی رَجُلَانِ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ فَقَالَ خَرَجۡتُ لِاُخۡبِرَکُمۡ بِلَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ فَتَلَاحٰی فلاں فلاں فَرُفِعَتۡ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۱۸۸۷)

عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن نکلے کہ شب قدر کے متعلق بتادیں کہ کس روز ہے اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے آپ نے فرمایا میں اس لئے نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر کی خبر دوں مگر فلاں فلاں آپس میں لڑ پڑے بس اس کا علم اٹھا لیا گیا۔

آدمی کو سوچنا چاہیے کہ میرے کسی رویے یا طرز عمل سے پوری قوم اللہ کی نصرتوں سے محروم نہ ہو جائے دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتحاد کی دولت نصیب فرمائے۔ آمین



یادرفتگان

عظیم بھائی کی یاد اور اظہار تشکر

لیاقت علی شاہ

میرے بڑے بھائی میر سید جمال الدین الموسوی کے انتقالِ پر ملال پر ملک بھر سے بذریعہ خط اور ٹیلیفون لاتعداد تعزیتی پیغامات موصول ہوئے ہیں اور بہت سے لوگوں نے بالمشافہ ملاقات کر کے تعزیت کی۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان تمام خواتین وحضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمارے غم میں شرکت کی اور میرے بھائی کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

میں ماہنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل کے جملہ منتظمین بشمول مدیر اعلیٰ غلام حسن حسوؔ شعبہ نشر واشاعت سپریم کونسل علمائے صوفیہ نوربخشیہ، شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف، خاص طور پر نوجوانانِ براہ جن کا سید جمال الدین نامہ کی اشاعت میں کلیدی کردار ہے، کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے سید جمال الدین نامہ شائع کر کے مرحوم ومغفور کے ساتھ اظہارِ عقیدت اور لواحقین وغمزدگان اہل خانہ کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔ میں ان تمام علمائے کرام اور قلمکاروں کا بھی تہہ دل سے ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے مظامین لکھ کر میرے مرحوم بھائی کی روح کو خراج عقیدت کے انمول پھول نچھاور کیے۔ میں ان سب کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں اور برکتوں کا سایہ قائم رکھے اور دنیا سے رخصت ہو جانے والے ان کے پیاروں کی مغفرت فرمائے آمین۔

رب ذالجلال نے جہاں انسان کو اس عالم آب وگل میں اپنی اطاعت وبندگی کے لئے خلق کیا ہے تو وہیں اس کو بیش بہا ذہنی، عقلی اور فکری صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان بھی ہے اور کریم بھی۔ انسان ان اٹل حقیقت کو ذہن نشین رکھے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے مصداق ہر نفس نے اور ہر ذی روح نے ایک نہ ایک دن موت کا مزا چکھنا ہے کیونکہ موت برحق اور اٹل ہے۔

اور اس سے کسی صورت مفر نہیں ہے کسی بھی چھیڑ خوباں سے، دفاعی حربوں اور حکمتوں کی آڑ لے کر اسے کسی صورت میں بھی ٹالا نہیں جاسکتا ہے اور انسان اس حقیقت کو بھی مد نظر رکھے کہ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔جو آج اس میں بوئے گا کل کو وہی کاٹے گا جو اس میں اعلیٰ سے اعلیٰ معیاری بیج بو کر پوری تندہی کے ساتھ آبیاری کر تا رہے گا،اتنا ہی بہترین اور معیاری فصل کاٹنے کی امید رکھ سکے گا۔

انسانی تخلیق کا مقصدِ حیات عبادت وبندگی اور معرفتِ الٰہی کا حصول ہے تو گویا میرے بڑے بھائی مفتی سید جمال الدین الموسوی مرحوم نے بھی مندرجہ بالا مقاصدِ تخلیق انسانی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو مذہبِ حقہ کی ترقی،ترویج،واشاعت،مذہبی ہم آہنگی اور فروعی اختلافات کے سدِّباب کے لئے وقف کیے رکھا ۔اور ان مقاصد کے حصول کے لئے عمر بھر سر گرم عمل رہے اور مذہبِ حقہ کے خلاف اٹھنے والے فتنوں،اور نادیدہ سازشی عناصر کی بیخ کنی کے لئے اپنی خداداد صلاحیتوں کو خوب استعمال کیا اور ہر فتنے کے سامنے سینہ سپر رہے۔آپ کی میر واعظی کے دور میں سلسلۂ نوربخشیہ میں اغیار کی مداخلتِ بیجا کا سلسلہ بامِ عروج پر تھا انہی مذموم ارادوں کو پروان چڑھانے کے لئے نت نئے سوالات تخلیق کر کے ذہنوں کو الجھانے اور دین ومذہب میں اختلاف پیدا کرنے اور سادہ لوح لوگوں کو سراب کے پیچھے لگانے کی شعوری کاوشیں ہوتی رہیں۔اغیار مختلف بہانوں اور سازشی تھیوریوں کے ذریعے سائنٹیفک طریقے سے سلسلہ نوربخشیہ کو کمزور کرنے کی مقدور بھر جستجو کرتے رہے لیکن آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اغیار کے ان تمام ہتھکنڈوں کو خاک میں ملا کر دم لیا۔

شرعی معاملات میں پیچیدہ مسئلوں کو کسی ڈر،خوف،لالچ اور دباو کے بغیر شرعی تقاضوں کے عینِ مطابق غیر جانبداری کے ساتھ حل کرنے کے سلسلے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔اپنے ہوں یا غیر ہر مکتبۂ فکر کے لوگ آپ کے شرعی فیصلوں کو بلا تامل،من وعن تسلیم کرتے تھے اور ان شرعی فیصلوں کا تہہِ دل سے احترام بھی

کرتے تھے۔ جن کے بارے میں کئی دلچسپ واقعات آپ سید جمال الدین نمبر میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔اس بنائ پر ہر مکتبہ ٔ فکر کے لوگ اپنے شرعی مسائل کے منصفانہ حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کا ہر شرعی فیصلہ ہمیشہ قرآن وحدیث اور فقہ احوط کے احکامات کے عین مطابق ہوتا تھا۔شرعی معاملات میں آپ کسی کے دباو میں آتے تھے اور نہ کسی کا لحاظ کرتے تھے۔انہی بے باک، جراتمندانہ شرعی فیصلوں کی بدولت تمام مکاتبِ فکر کی نگاہ میں آپ کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا اور حاصل رہے گا۔

آپ کا اسم گرامی سید جمال الدین بن سید محمد شاہ الموسوی ہے۔آپ کا تعلق براہ بالا کے واحد نامی گرامی سادات خاندان سے تھا آپ کے والد گرامی سید محمد شاہ کو اعلی نسب وحسب، تقوی، اور بارعب شخصیت اور اپنے دور کا بلند پایہ عالم دین ہونے کی بنائ پر خطے میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ آپ کے دور میں براہ بالا میں ایک بھی شیعہ سنی نہیں تھا ساری کی ساری آبادی مذہبِ نور بخشیہ سے تعلق رکھتی تھی اور ماشا اللہ اب بھی یہی پوزیشن بر قرار ہے۔

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاوں براہ بالا کے پرائمری سکول سے اور مڈل کی تعلیم مڈل سکول خپلو سے حاصل کی۔طالب علمی کے ابتدائی دور سے ہی آپ کی ذہانت وفطانت اور خداداد صلاحیتیں ظاہر ہونے لگیں آپ کے کلاس فیلوز کے بقول آپ کا شمار کلاس کے ہونہار طلبأ میں ہوتا تھا اور ہمیشہ امتیازی نمبروں کے ساتھ پوزیشن حاصل کرتے تھے۔براہ اور خپلو سے ابتدائی دینی ودنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لئے آپ نے سرگودھا پنجاب کا رخ کیا جہاں دارالعلوم محمدیہ سرگودھا سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے آبائی گاوں براہ واپس آئے جہاں اپنی بقیہ زندگی ایک بلندپایہ عالم دین، داعی، دانشور، مصلح اور شرعی قاضی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

موصوف دینی، دنیوی اور شخصی حوالے سے مثالی شخصیت کے مالک تھے۔تعلیماتِ اسلامی کے فروغ،

نشرواشاعت،اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور تبلیغِ دین کے لئے زندگی کی آخری سانس تک کوشاں و مضطرب رہے۔اےاء۱۹ء سے پہلے کے زمانے میں خدمتِ دین اور فروغ دین کے حوالے سے آپ کے والد گرامی سید محمد شاہ الموسوی اور دادا جان سید جعفر شاہ الموسوی کا کردار ناقابل فراموش تھا لیکن موصوف کی دینی و ملی خدمات بھی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔آپ نے دینی تعلیمات کے درس و تدریس خاص طور پر بچوں کی تعلیم و تربیت اور عام لوگوں کے اذہان و قلوب کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لئے ''انوارالعلوم' کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا قیام عمل میں لایا۔ذاتی کاوشوں اور مخیر حضرات کے تعاون سے درس گاہ کے لئے شاندار عمارت تعمیر کروائی۔جب تک یہ عمارت قائم ہے میر سید جمال الدین کی یاد تازہ کرتی رہے گی۔ذاتی طور پر میری یہ تجویز ہے کہ مدرسہ انوارالعلوم کو یابراہ میں موجود کسی مسجد یا ہسپتال یا سکول کو میر سید جمال الدین کے نام نامی سے منسوب کیا جانا چاہیے۔

آپ کی شخصیت میں چھوٹے بڑے سب سے ساتھ یکساں سلوک،شفقتِ پدری کے تقاضوں کے تحت اپنی اولاد کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیے رکھتے تھے۔اور غیر ضروری ڈانٹ ڈپٹ،اور پند و نصیحت سے گریز کرتے تھے۔بہن،بھائیوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بڑی چاؤ و چاہت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آتے تھے۔اسی طرح آپ کی شخصیت میں انس و محبت،شفقت و ہمدردی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

میر سید جمال الدین الموسوی نہایت باکمال عالم،فاضل،بزرگ تھے اپنی زندگی کے ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے علم و فضل،جاہ و جلال،خودداری و بے باکی میں یکتائے روزگار تھے۔عوام و خواص میں برابر مقبول و معروف راہبر و راہنما تھے۔معاشرے میں ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ آپ کے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے آپ کی تکریم و عزت کرتے تھے۔اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔یہی ان کا بیش بہا قیمتی اثاثہ تھا۔

میر سید جمال الدین الموسوی اور ان کے بزرگوں نے دین ومذہب اور قوم وملت کی یکجائی وتوانائی کے لئے تن، من دھن کی بازی لگا کر، اپنا خونِ جگر دے کر، اپنا لہو جلا کر ان چراغوں کی حفاظت کی ہے انشأاللہ ان چراغوں سے مذہب وملت کو تادیر روشنی فراہم ہوتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو میر سید جمال الدین اور ان کے بزرگوں کے دست مبارک سے جلائے ہوئے ان چراغوں کو روشن رکھنے اور ان کے لگائے ہوئے پودوں کی خوب آبیاری کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے مذہب کو اغیار کی یلغاروں اور اپنے اندر چھپے ہوئے نادانوں کی نادانیوں سے محفوظ ومامون رکھے آمین یارب العٰلمین

